عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد: ۴۳ | ۶ تا ۱۳ جمادی الاول ۱۴۴۶ھ مطابق ۸ تا ۱۵ نومبر ۲۰۲۴ء | شمارہ: ۴۲

دعوتِ دین
چند گم نام گوشے

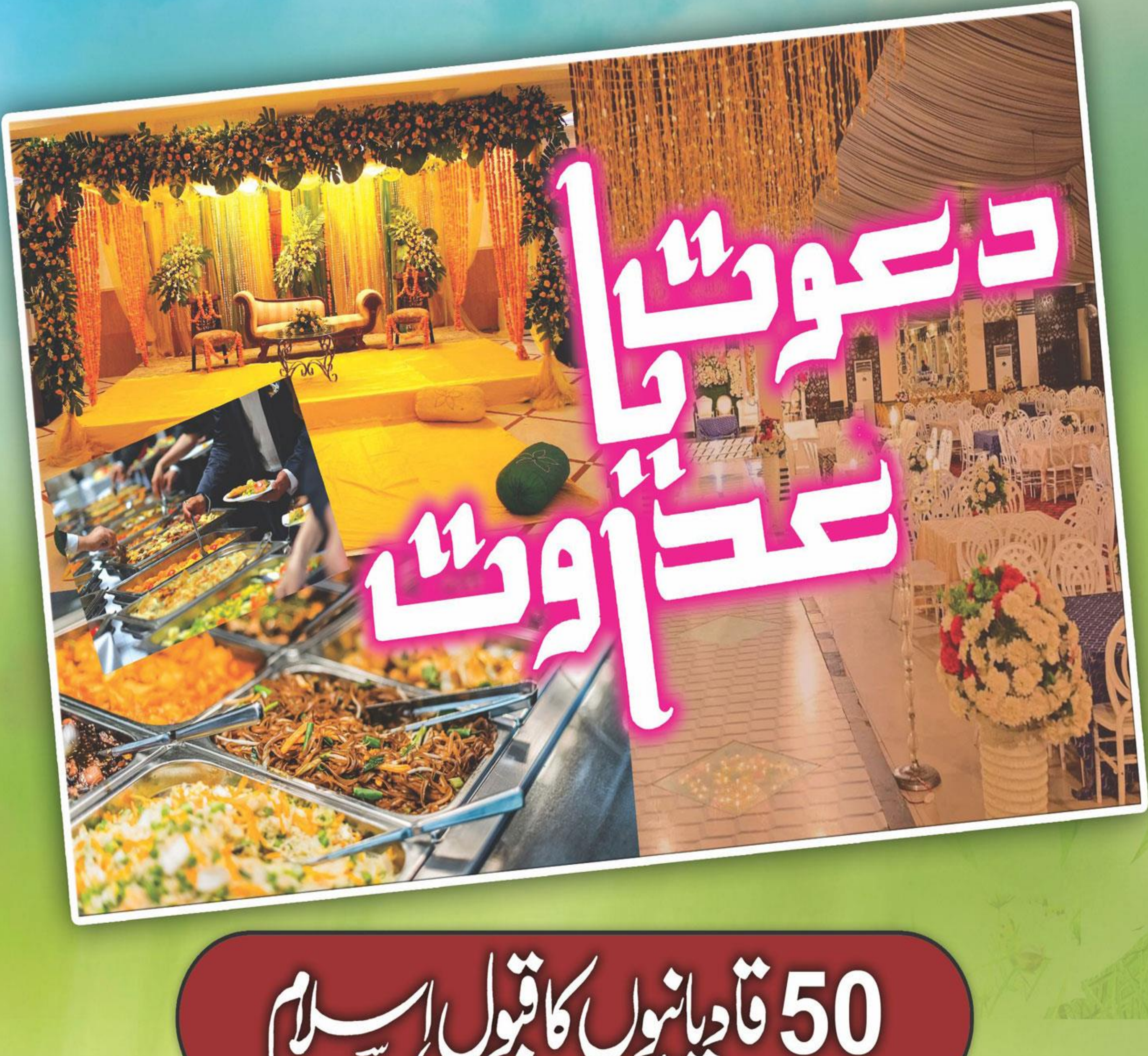

50 قادیانیوں کا قبولِ اسلام

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
Email: editorkn@yahoo.com
Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.info
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

جان بوجھ کر نماز چھوڑنا

س:......ایک شخص نمازوں کے فرض ہونے کا تو قائل ہے مگر سستی کاہلی کی وجہ سے یا کبھی مصروفیت کی وجہ سے نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا جان بوجھ کر نماز چھوڑ دینے سے کافر ہوجاتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر حدیث میں جو آیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

ج:...... جو شخص نمازوں کی فرضیت کا قائل ہو لیکن سستی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے نماز نہ پڑھتا ہو تو وہ سخت گناہگار ہوگا، لیکن اس کو کافر نہیں کہا جائے گا اور نہ کوئی شخص نماز چھوڑ دینے سے کافر ہوجاتا ہے۔ نماز چھوڑ دینا گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق ہے۔ ’’والکبیرۃ لاتخرج العبد المؤمن من الایمان۔‘‘(عقائد نسفی:۱۰۶)، ’’وتارکھا عمداً مجانۃ ای تکاسلاً فاسق ۔‘‘ (الدر المختار مع الرد المحتار، ج:۱، ص:۳۵۲)

اور حدیث مبارکہ میں جو آیا ہے کہ:’’من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر‘‘ یہ اس گناہ کی شدت کو بیان کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام مسلمانوں جیسا نہیں ہے، ایک مسلمان کو جان بوجھ کر ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔’’ای استوجب عقوبۃ من کفر او قارب ان ینخلع عن الایمان بانحلال عروتہ و سقوط عمادہ.... أوفعل فعل الکفار تشبہ بھم۔‘‘(فیض القدیر، ج:۱، ص:۵۷۳۸)

قضا شدہ نماز کی ادائیگی کا طریقہ

س:....اگر کسی شخص کی کئی سالوں کی نمازیں باقی ہوں تو کیا اس کا کوئی کفارہ ہے یا کوئی فدیہ ہے جو وہ اپنی زندگی میں ہی ادا کر دے؟ کیا گزشتہ سالوں کی نمازیں محض توبہ واستغفار کرنے سے معاف ہوسکتی ہیں؟

ج:....جان بوجھ کر نماز چھوڑ دینا گناہِ کبیرہ ہے اور شدید گناہ ہے، زندگی میں اس کا کوئی کفارہ یا فدیہ نہیں، جو ادا کر کے اس گناہ کی شدت کو ختم کیا جاسکے، سوائے اس کے کہ قضا شدہ نمازوں کو ہی ادا کیا جائے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خلوص دل کے ساتھ توبہ و استغفار بھی کیا جائے۔ گزشتہ سالوں کی نمازیں ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہے، محض توبہ و استغفار سے قضا نمازیں معاف نہیں ہوجاتیں اور قضا صرف فرضوں کی اور وتر نماز کی ہے، سنتوں کا وقت نکل جائے تو اس کی کوئی قضا نہیں، محض محرومی ہے۔ ہر نماز قضا کو ادا کرتے وقت یوں نیت کرے کہ مثلاً میرے ذمہ جتنی بھی فجر کی نمازیں قضا ہیں، ان میں سے پہلی نماز فجر پڑھ رہا ہوں، اس طرح ہر نماز میں نیت کرتا رہے اور قضا نماز کو پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو ادا نماز کا ہے، بس نیت میں قضا نماز کا ذکر کرنا ہوگا۔ حساب یاد رکھنے کے لئے ہر وقتی نماز کے ساتھ ایک قضا نماز بھی پڑھ لیا کرے۔ اگر کوئی زیادہ پڑھنا چاہے تو بھی اختیار ہے اور حساب کرتا رہے۔’’اذا التاخیر بلاعذر کبیرۃ لاتزول بالقضاء بل بالتوبۃ ای بعد القضاء واما بدونہ فالتاخیر باق فلم تصح التوبۃ منہ لانہ من شروطھا الاقلاع عن المعصیۃ۔‘‘(الدر المختار مع الرد المحتار، ج:۲، ص:۶۲) واللہ اعلم بالصواب

ہفت روزہ
ختم نبوۃ
مجلس تحفظ ختم نبوت

جلد:۴۳ ۶ تا ۱۳ / جمادی الاول ۱۴۴۶ھ مطابق ۸ تا ۱۵ / نومبر ۲۰۲۴ء شمارہ:۴۲

مجلس ادارت
صاحبزادہ مولانا عزیز احمد، مولانا سائیں عبدالمجیب قریشی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا قاضی احسان احمد

سرپرست
حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی مدظلہ
مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری
مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری
نائب مدیر اعلیٰ
مولانا اللہ وسایا
مدیر
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ
معاون مدیر
عبداللطیف طاہر
قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ
سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا
تزئین و آرائش:
محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

بنیاد
امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس الحسینیؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

اس شمارے میں!

پچاس قادیانیوں کا قبول اسلام	۵	حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ
دعوت یا عداوت	۸	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
اسلامی پردہ.....	۱۰	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
آئینہ دیکھنے کا نبوی طریقہ	۱۳	مولانا محمد تبریز عالم قاسمی
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۲)	۱۵	مولانا مقبول احمد سیوہاروی
دعوت دین... چند گم نام گوشے	۱۹	محترم عبدالمتین صاحب
گناہ پر فخر	۲۲	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء...(۸)	۲۴	مولانا مفتی خالد محمود

زر تعاون
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۰۰ ڈالر، یورپ، افریقا: ۸۰ ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرقی وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۷۰ ڈالر
فی شمارہ: ۲۵ روپے، ششماہی: ۶۰۰ روپے، سالانہ: ۱۲۰۰ روپے

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سیّد شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

دورِ نبوت کے تاریخ وار حالات وواقعات

عہدِ نبوت کے ماہ وسال

تالیف: علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی رحمہ اللہ ترجمہ: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ

قسط:۱۰۰ فصل:... ۳ہجری کے واقعات

۱:... **حضرت حفصہؓ سے عقد:**... اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے عقد کیا، یہ صحیح تر قول کے مطابق شعبان ۳ھ کا واقعہ ہے، جیسا کہ شامی نے اپنی سیرت میں بعد از ہجرت کے واقعات میں ذکر کیا ہے۔ یہ قول اس امر پر مبنی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر خنیسؓ بن حذافہ کا انتقال غزوۂ اُحد سے قبل ہوا تھا، اور یہ کہ ان کی موت کا سبب وہ زخم تھے جو انہیں غزوۂ بدر میں آئے، ان کی موت بدر واُحد کے مابین واقع ہوئی۔ اور دُوسرا قول یہ ہے کہ یہ عقد غزوۂ اُحد کے بعد ۳ھ میں ہوا تھا، کیونکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے، جیسا کہ حافظؒ نے ''الاصابہ'' میں ذکر کیا ہے۔ یاد رہے کہ غزوۂ اُحد نصف شوال ۳ھ میں ہوا، مگر پہلا قول ہی صحیح تر ہے، اور حافظؒ نے ''الاصابہ'' میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲:... **حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ سے عقد:**... اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہ الہلالیہ رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ یہ کثرتِ صدقہ کی بنا پر ''اُمّ المساکین'' کہلاتی تھیں، ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوۂ اُحد میں جو بالاتفاق شوال ۳ھ میں ہوا، شہید ہوگئے تھے، عدّت پوری ہونے کے بعد اَواخرِ ذی الحجہ ۳ھ میں ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو یا تین مہینے رہ کر ربیع الاوّل یا ربیع الآخر ۴ھ میں وفات پائی، ربیع الاوّل کا قول ہی صحیح ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رمضان ۳ھ میں نکاح کیا تھا، نکاح کے بعد آٹھ مہینے بقیدِ حیات رہیں، اور ربیع الاوّل ۴ھ میں یا بقول بعض ربیع الآخر ۴ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ میں سے صرف حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت زینب اُمّ المساکین رضی اللہ عنہما کا وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوا، یہ اس قول پر مبنی ہے کہ ''ریحانہ'' (جن کی وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں، زوجہ نہیں تھیں۔

۳:... **عبداللہ بن عثمانؓ کی وفات:**... اسی سال جمادی الاولیٰ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ کا جو حضرت رُقیہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، چھ برس کی عمر میں انتقال ہوا، بعض نے کہا ہے کہ یہ ۴ھ کا واقعہ ہے، ان کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگا مارا، جس سے چند دن بیمار رہ کر انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جنازہ پڑھایا اور ان کے والد ماجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لحد میں اُتارا۔

۴:... **حضرت اُمِّ کلثومؓ کا نکاح:**... اسی سال ربیع الاوّل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح سیّدہ اُمِّ کلثوم بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، اور اسی سال جمادی الاخریٰ کے آخر میں رُخصتی ہوئی۔ ''تذکرۃ القاری'' میں ہے کہ: ''حضرت اُمِّ کلثومؓ قبل از وقتِ نبوّت، حضرت زینبؓ کے بعد اور حضرت فاطمہؓ سے قبل پیدا ہوئیں'' بنابریں ان کی ولادت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سنِ مبارک چونتیس ہوگا۔ (جاری ہے)

اداریہ

حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

پچاس سے زائد قادیانیوں کا قبولِ اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام مینارِ پاکستان پر ۵۰ سالہ گولڈن جوبلی ختم نبوت کانفرنس کے بعد قادیانیت کا سفر زوال تیزی سے جاری ہے اور قادیانی اس فتنے پر لعنت بھیج کر تیزی سے اسلام قبول کر رہے ہیں، چنانچہ:

۱......اسلام آباد میں چھ قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔

۲......بارہ کہو اسلام آباد میں ایک قادیانی نے اسلام قبول کیا۔

۳......پیلووینس کے ایک قادیانی نے اسلام قبول کیا۔

۴......روڈہ ضلع خوشاب میں تین قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔

۵......پلی موڑ کنری سندھ میں دس قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔

۶......قاری محمد رفیق وجھوی کے بقول اکیس قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔

۷......رحیم یار خان میں بارہ قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔

۸......فیصل آباد میں ایک قادیانی نے اسلام قبول کیا۔

یہ وہ حضرات وخواتین ہیں جن کے ناموں اور علاقوں کی تفصیل بھی خبروں میں موجود ہے، جو آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اسی طرح لاہور سے بھی کچھ افراد کے قبول اسلام کی خبر ملی ہے جو علاوہ ازیں ہے۔

اسلام آباد کے چھ قادیانیوں کا قبولِ اسلام:

مولانا رفیع اللہ حقانی کی وساطت سے حضرت مولانا مفتی عبدالسلام مہتمم جامعہ دارالہدیٰ سرپرست عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حلقہ گولڑہ کے ہاتھ پر چھ افراد پر مشتمل فیملی نے ۶؍ستمبر ۲۰۲۴ء کو قادیانیت پر لعنت بھیج کر اسلام قبول کیا۔ نومسلمین کے نام یہ ہیں: سعد احمد چوہدری ولد سردار احمد، چوہدری نوریہ سعد زوجہ سعد احمد چودھری طلال احمد چودھری، بلال احمد چودھری، ولد سعد احمد چودھری، زورین بنت سعد احمد چودھری، ایمان بنت سعد احمد چودھری۔ ۱۴؍ستمبر ۲۰۲۴ء بروز ہفتہ کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ حضرت مولانا محمد طیب کے ساتھ طویل نشست ہوئی۔ سوال وجواب کے بعد اطمینان کا اظہار کیا۔ انہوں نے مبارک باد پیش کی۔ نیز استقامت کی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تمام قادیانیوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین! اس

موقع پر مولانا رفیع اللہ حقانی خطیب جامع مسجد محمد بنی گالا اور مولانا سید فرخ شاہ الحسینی بھی موجود تھے۔

بہارہ کہو اسلام آباد میں عارف کیانی کا قبول اسلام:

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حلقہ بہارہ کہو اسلام آباد کے امیر جامع مسجد سردار بیگم کے خطیب مولانا فخر الاسلام کے ہاتھ پر جناب عارف کیانی نے قادیانیت پر لعنت بھیج کر اسلام قبول کر لیا۔

پیلوؤینس خوشاب کے عدنان کاشف کھبہ کا قبول اسلام:

اسلام آباد یونیورسٹی کے سٹوڈنٹ، پیلوؤینس کے رہائشی نامور کرکٹر جناب عدنان کاشف کھبہ نے ۲/اکتوبر ۲۰۲۴ء کو قادیانیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور اپنے اسلام کا سوشل میڈیا کے ذریعہ برملا اعلان کیا۔ نومسلم نے کہا کہ آج کے بعد میرا فتنہ قادیانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

روڈہ خوشاب میں تین افراد کا قبول اسلام:

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت روڈہ کے سرپرست حافظ دلاور حسین کے دست اقدس پر ۲۰/ستمبر ۲۰۲۴ء کو مدرسہ رحیمیہ روڈہ شہر ضلع خوشاب میں بعد نماز جمعہ تین بھائیوں نے قادیانیت پر لعنت بھیج کر دین اسلام کو سینہ سے لگایا۔ جن کے نام یہ ہیں: حبیب اللہ چھلڑا کے تین بیٹے گل زمان، گل باز، عطاء اللہ۔ اہل علاقہ اور علمائے کرام نے ہار پہنائے، مبارکباد پیش کی اور استقامت کی دعا کی۔

کنری سندھ میں دس افراد کا قبول اسلام:

۲۷/ستمبر ۲۰۲۴ء بروز پیر قادیانیت سے تعلق رکھنے والے پلی موڑ کنری کے رہائشی الطاف احمد جٹ اور اس کے بیٹے راشد احمد جٹ، سرفراز احمد جٹ، نسیم احمد جٹ، وسیم احمد جٹ دو خواتین اور تین بچوں سمیت دس افراد نے قادیانیت پر چار حرف بھیج کر حضور قبلہ پیر طریقت رہبر شریعت جگر گوشہ قیوم الزمان حضرت پیر محمد ایوب جان فاروقی مجددی سرہندی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں خانقاہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ گلزار خلیل تحصیل سامارو ضلع عمر کوٹ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اللہ پاک جل شانہ نومسلم افراد کو استقامت عطا فرمائے۔ آمین!

چناب نگر میں اکیس افراد کا قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول:

۱۲/ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ کے دن ''خانقاہ سید نفیس الحسینیہ مکیہ'' میں مولانا محمد فاروق مبلغ انوارِ ختم نبوت ٹرسٹ کی محنت سے چناب نگر ہی کے دو گھرانوں کے سولہ افراد نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا۔

شاہد صاحب نے اپنی اہلیہ اور سات بچوں ام رباب، رخسانہ بی بی، صبیحہ بی بی، ماہ نور، علی حیدر، عنایہ بی بی، دعا فاطمہ سمیت اسلام قبول کیا۔

اسی طرح عمران صاحب نے اپنی اہلیہ اور تین بچوں ماہ نور، ریمشہ، عثمان سمیت اسلام قبول کیا۔

دو افراد محمد شازب عمر، محمود عمر نے مجاہد ختم نبوت مولانا قاری محمد رفیق دامت برکاتہم مرکزی ڈپٹی سیکریٹری جنرل انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان کی دعوت سے متاثر ہو کر مرزا قادیانی پر چار حرف بھیج کر اسلام قبول کر لیا۔

۸/ستمبر ۲۰۲۴ء کو پانچ افراد حسن احمد نے اپنی اہلیہ نائلہ بی بی اور تین بیٹوں اطہر عباس، نیر عباس، محمد اکبر سمیت مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہوئے مہمان مکرم مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج ورلڈ سیکریٹری جنرل انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

رحیم یار خان میں بارہ افراد کا قبول اسلام:

۶/اکتوبر ۲۰۲۴ء بروز اتوار رحیم یار خان ۵ چک نزد جیٹھہ بھٹہ شوگر مل تحصیل خانپور میں تین قادیانیوں نے مع اہل وعیال قبول اسلام کرلیا۔ان کے نام شرافت بھلر، بشارت بھلر اور الیاس چھینہ ہے۔تینوں حضرات مع اہل وعیال (تین ازواج اور چھ بچوں) قادیانیت پر لعنت بھیج کر مولانا محمد سلطان مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع رحیم یار خان کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوگئے۔اس موقع پر حافظ محمد دانش، حاجی غلام مرتضیٰ سندھو، مفتی عارف عطاری، بھائی شاہد عطاری، عارف بھنڈر اور اہل علاقہ سارے موجود تھے۔اس موقع پر نومسلموں کے لئے استقامت کی دعا کی گئی اور مبارک باد کے ساتھ حوصلہ افزائی کی گئی۔

فیصل آباد میں ایک لڑکی کا قبول اسلام:

فیصل آباد چھوٹا لاٹھیاں والا میں خدیجہ الکبریٰ نامی ۲۱ سالہ لڑکی نے مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والوں پر لعنت بھیج کر اسلام قبول کرلیا۔

ختم نبوت زندہ باد، قادیانیت مردہ باد!

ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء کرام ومبلغین حضرات قادیانیوں کو اپنے قریب کر کے دعوت اسلام دیں، قادیانیت اس وقت پشیمانی کا شکار ہے۔ختم نبوت گولڈن جوبلی کے کامیاب انعقاد نے ان کے حوصلے پست کردیئے ہیں۔وہ سوچنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ سوا صدی ملعون قادیانی کی پیروی کر کے سوائے ذلت وندامت، حقارت وپشیمانی کے ہمیں کیا ملا ہے؟ ان حالات میں ان کے لئے خوبصورت موقع ہے کہ وہ قادیانیت ترک کر کے امت مسلمہ کے دھارے میں شریک ہوجائیں۔اسلام انہیں پکارتا ہے اور مسلمان انہیں صدق دل سے ہزار خوشی کے ساتھ سینے سے لگانے کے لئے تیار ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر ترس فرمائیں اور فتنہ عمیاء اور کفر سے نجات نصیب فرمائیں۔آمین!

وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

دعوت یا عداوت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

کچھ عرصہ قبل اپنے ایک عزیز کے یہاں شادی کی ایک تقریب میں مدعو تھا، چوں کہ آج کل شادی کی تقریبات متعدد وجوہ سے ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہیں، اس لیے میں بہت کم تقریبات میں شرکت کرتا ہوں اور رشتہ داری یا دوستی کا حق کسی اور مناسب وقت پر ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اتفاق سے اس روز اسی وقت میں پہلے بہار کالونی میں ایک جگہ تقریر کا وعدہ کر چکا تھا، جب کہ شادی کی یہ تقریب نیشنل اسٹیڈیم کے متصل ایک لان میں منعقد ہورہی تھی، یعنی دونوں جگہوں کے درمیان میلوں کا فاصلہ تھا، اس لیے میرے پاس ایک معقول عذر تھا، جو میں نے تقریب کے منتظمین سے عرض کر دیا اور پروگرام یہ بنایا کہ میں بہار کالونی جاتے ہوئے اہل خانہ کو تقریب میں چھوڑتا جاؤں گا اور جب بہار کالونی کے پروگرام سے واپس ہوں گا تو اس وقت تک تقریب ختم ہوچکی ہوگی، میں منتظمین کو مختصر مبارک باد دے کر گھر والوں کو ساتھ لے جاؤں گا۔ چناں چہ اسی نظم کے مطابق میں نے عشاء کی نماز بہار کالونی میں پڑھی، نماز کے کافی دیر بعد وہاں پروگرام شروع ہوا، مجھ سے پہلے ایک اور صاحب نے خطاب کیا، پھر میرا خطاب بھی تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا۔ اس کے بعد عشائیہ کا انتظام تھا، میں نے اس میں بھی شرکت کی، پھر وہاں سے روانہ ہوا اور جب اسٹیڈیم پہنچا تو رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے، خیال یہ تھا کہ اگرچہ دعوت نامے پر نکاح کا وقت آٹھ بجے اور کھانے کا وقت غالباً ساڑھے آٹھ بجے درج تھا، لیکن اگر کچھ دیر ہوئی ہوگی، تب بھی ساڑھے گیارہ بجے تک ضرور تقریب ختم ہوگئی ہوگی۔ لیکن جب تقریب والے لان میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک بارات ہی نہیں آئی، لوگ بے چارگی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے، بعض لوگوں کے کندھوں پر سے بچے لگے ہوئے تھے، جو بھوک یا نیند کے غلبے کی وجہ سے روتے روتے سونے لگے تھے، کچھ لوگ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ کر، نکاح میں شرکت کے بغیر واپسی کی سوچ رہے تھے۔ اور بہت سے افراد منتشر ٹولیوں کی شکل میں وقت گزاری کے لیے بات چیت میں مشغول تھے اور بہت سے ساکت وصامت بیٹھے، آنے والے حالات کا انتظار کر رہے تھے، منتظمین نے لوگوں کے پوچھنے پر، انہیں اطمینان دلایا کہ ابھی فون سے پتہ چلا ہے کہ بارات روانہ ہورہی ہے اور ان شاء اللہ آدھے گھنٹے تک یہاں پہنچ جائے گی!!

میں تو خیر پہلے ہی معذرت کر چکا تھا، اس لیے چند منٹ بعد منتظمین سے اجازت لے کر چلا آیا، لیکن آدھے گھنٹے بعد بارات کے آنے کا مطلب یہ تھا کہ سوا بارہ بجے رات کو بارات پہنچی ہوگی، ساڑھے بارہ بجے کے وقت نکاح ہوا ہوگا اور کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے یقیناً لوگوں کو ڈیڑھ بج گیا ہوگا۔

یہ تو ایک تقریب کا واقعہ تھا، شہر کی بیشتر شادی کی تقریبات کا یہی حال ہے کہ دعوت نامے پر لکھے ہوئے اوقات قطعی طور پر بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں، خود لکھنے والوں کا ارادہ بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم ان اوقات کی پابندی نہیں کریں گے لہٰذا جن حضرات کو دعوت نامہ پہنچتا ہے، وہ بھی اتنی بات تو یقین سے جانتے ہیں کہ دعوت نامے میں لکھے ہوئے اوقات پر عمل نہیں ہوگا، لیکن تقریب کے واقعی اوقات کیا ہوں گے؟ چوں کہ اس کے بارے میں یقینی بات کوئی نہیں بتا سکتا، اس لیے ہر شخص اپنا الگ اندازہ لگاتا ہے، شروع شروع میں لوگوں نے یہ اندازہ لگانا شروع کیا کہ مقررہ وقت سے آدھے پون گھنٹے کی تاخیر ہوجائے گی، لیکن جب اس حساب سے دعوت میں پہنچ کر گھنٹوں خوار ہونا پڑا تو انہوں نے تاخیر کا اندازہ اور بڑھا لیا، اس طرح ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچ گئی کہ نہ اب تاخیر کی کوئی حد مقرر ہے، نہ اندازوں کا کوئی حساب، ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ رات کو ایک بجے کے بعد نکاح ہوا اور لوگ دو بجے کے بعد اپنے گھروں کا رخ

کرسکے، ہرشخص کے پاس اپنی سواری بھی نہیں ہوتی اور رات گئے سواری کا انتظام جوئے شیر لانا تو ہے ہی، شہر کے موجودہ حالات کے پیش نظر جان کا جوا کھیلنے کے مترادف بھی ہے۔

اس صورت حال کے نتیجے میں کسی ایک تقریب میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کم ازکم چار پانچ گھنٹے خرچ کرے، بے مقصد انتظام کی کوفت برداشت کرے، رات گئے ٹیکسیوں کا کئی گنا کرایہ ادا کرے اور پھر بھی سارے راستے ممکنہ خطرات سے سہارے، رات کو بے وقت سونے کے نتیجے میں صبح کو دیر سے بیدار ہو کر فجر کی نماز غائب کرے اور یا تو اگلے روز آدھے دن کی چھٹی کرے یا نیم غنودگی کی حالت میں الٹا سیدھا کام کرے، سوال یہ ہے کہ......

کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

دنیا کا کوئی نظامِ فکر ایسا نہیں ہے جس میں وقت کو انسان کی سب سے بڑی دولت قرار دے کر، اس کی اہمیت پر زور نہ دیا گیا ہو، انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور جو قومیں وقت کی قدر پہچان کر اسے ٹھیک ٹھیک استعمال کرتی ہیں، وہی دنیا میں ترقی کی منزلیں طے کرتی ہیں۔

مجھے جاپان جانے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن میرے ایک دوست نے (جو خاصے ثقہ ہیں) ایک صاحب کا یہ قصہ سنایا کہ وہ اپنے تجارتی مقصد سے جاپان گئے تھے، وہاں ان کے ایک ہم پیشہ تاجر یا صنعت کار نے انہیں رات کے کھانے پر اپنے یہاں دعوت دی، جب یہ صاحب کھانے کے مقررہ وقت پر ان کے گھر پہنچے تو میزبان کھانے کی میز پر بیٹھ چکے تھے اور کھانا لگایا جا چکا تھا، ان صاحب کو کسی قسم کے تمہیدی تکلفات کے بغیر، سیدھے کھانے کی میز پر لے جا کر بٹھا دیا گیا اور کھانا فوراً شروع ہوگیا، کھانے کے دوران باتیں ہوتی رہیں، لیکن ان صاحب نے ایک عجیب سی بات یہ نوٹ کی کہ میزبانوں کے پاؤں کھانے کے دوران ایک خاص انداز سے حرکت کر رہے تھے، شروع میں انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ اس انداز کی حرکت ہے جیسے بعض لوگ بے مقصد پاؤں ہلانے کے عادی ہو جاتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر انہوں نے محسوس کیا کہ پاؤں کی حرکت میں کچھ ایسی باقاعدگی ہے جو بے مقصد حرکت میں عموماً نہیں ہوا کرتی، بالآخر انہوں نے میزبانوں سے پوچھ ہی لیا۔ اور ان صاحب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ دراصل میز کے نیچے کوئی مشین رکھی ہوئی ہے اور وہ کھانے کے دوران بھی اپنا پاؤں استعمال کر کے کوئی ہلکا پھلکا ''پیداواری کام'' جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ قصہ سچا ہے یا کسی ''جہاں دیدہ'' نے زیب داستان کے لیے گھڑا ہے، لیکن اس قسم کے قصے بھی اسی قوم کے بارے میں گھڑے جاسکتے ہیں جس نے اپنے عمل سے وقت کی قدر و قیمت پہچاننے اور محنت کرنے کی مثالیں قائم کی ہوں، ہمارے ملک کے بارے میں اس قسم کا کوئی قصہ جھوٹ موٹ بھی نہیں گھڑا نہیں جاسکتا، اس لیے کہ ہمارا مجموعی طرز عمل یہ بتاتا ہے کہ وقت ہمارے نزدیک سب سے زیادہ بے وقعت چیز ہے اور اگر شادی کی کسی ایک رسمی تقریب میں شرکت کے لیے ہمارا پورا دن برباد ہو جائے تو بھی ہمیں کوئی پروا نہیں۔

ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ہم وقت کی یہ ناقدری اس دین اسلام کے نام لیوا ہونے کے باوجود کرتے ہیں جس نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر شخص کو اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب آخرت میں دینا ہوگا، جس نے پانچ وقت کی باجماعت نماز مقرر کر کے اس کے ہر دن کو خود بخود پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اس کے ذریعے شب و روز کا بہترین نظام الاوقات طے کرنا آسان بنا دیا ہے۔

یوں تو وقت ضائع کرنے کے مظاہرے ہم زندگی کے ہر شعبے میں کرتے ہیں، لیکن اس وقت موضوع گفتگو تقریبات اور دعوتیں تھیں، جن میں وقت کی پابندی نہ کر کے ہم اپنا بھی اور سینکڑوں مدعوین کا بھی وقت برباد کرتے ہیں، لوگوں کو دعوت میں بلا کر انہیں غیر محدود مدت تک انتظار کی قید میں رکھنا، ان سب کے ساتھ ایسی زیادتی ہے جس کے خلاف ایسی خوشی کے مواقع پر کوئی احتجاج کرنا بھی آسان نہیں ہوتا، کیوں کہ لوگ مروت میں اس زیادتی پر زبان بھی نہیں کھولتے، لیکن جو شخص بھی انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو بلاوجہ تکلیف پہنچانے کا سبب بنے، کیا وہ گنہگار نہیں ہوگا؟ مدعو حضرات میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا وقت بچتا تو ملک وملت کے کسی مفید کام میں خرچ ہوتا، ایسے لوگوں کا وقت ضائع کر کے انہیں گھنٹوں بے مقصد بٹھائے رکھنا صرف ان پر نہیں، بلکہ ملک وملت پر بھی ظلم ہے، یہ حقیقت میں دعوت نہیں، عداوت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چوں کہ ایک غلط ریت معاشرے میں چل پڑی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اسے غلط سمجھ کر اس کی اصلاح کرنا بھی

(باقی صفحہ 26 پر)

اسلامی پردہ.....انسدادِ فواحش کا واحد راستہ!

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

’’عورت‘‘ سماج کا اٹوٹ حصہ اور اہم ترین عنصر ہے، اسی کے وجود سے کائنات ہستی میں رنگ ونکہت ہے، اسی کے دم قدم سے زندگی کا سوز وساز ہے، عورت کے بغیر دنیا کی رنگینی کوئی معنی نہیں رکھتی اور عورت سے ہٹ کر پُرلطف زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا؛ یہی وجہ ہے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک خاتون کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا اور اپنی محبوب چیزوں میں خوشبو کے ساتھ ساتھ عورت کا بھی ذکر فرمایا۔(مسند احمد)

انسانی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جاہلیت قدیمہ میں عورت کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جاتا تھا؟ کتنے مظالم ڈھائے جاتے تھے؟ کن حالات سے گزارا جاتا تھا؟ اگر مختصر الفاظ میں کہا جائے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ بعثت نبوی سے قبل عورت کی زندگی ذلت وپستی، مملوکیت و غلامی اور ظلم واستحصال سے عبارت تھی؛ مگر جب اسلام آیا تو اس نے عورت کو سربلندی عطا کی، اس کی قدرومنزلت کو آشکار کیا، اسے بلند مقام دیا اور قابل احترام شخصیت قرار دیا، پھر اس کے حقوق متعین کیے، اس کے فرائض وواجبات طے کیے اور اسے مردوں کی طرح بہت سے معاملات میں مساوی حقوق سے سرفراز فرمایا۔

تحفظ نسواں کے حوالے سے اسلام نے عورتوں کے لیے جو حدود مقرر کیے اور جن احکام پر عمل آوری کی تاکید کی، ان میں سرفہرست پردہ اور حجاب ہے؛ اس لیے کہ حجاب کے بغیر عورت کی حفاظت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا، بنا بریں وابستگان اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے سنجیدہ افراد نے بھی فواحش ومنکرات کے انسداد کا اگر کوئی حل بتلایا ہے تو وہ صرف اسلام کا نظامِ پردہ و حجاب ہے۔

ستر اور حجاب کے درمیان فرق:

عورت کے پردے کے بارے میں اکثر لوگ اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ وہ ستر اور حجاب کے درمیان یا تو فرق ہی نہیں کرتے یا فرق کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے؛ جب کہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں کے الگ الگ احکام بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ معارف القرآن میں لکھتے ہیں: سترِ عورت اور حجابِ نساء یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں۔ سترِ عورت ہمیشہ سے فرض ہے، حجابِ نساء سن ۵ ہجری میں فرض ہوا۔ سترِ عورت مرد وعورت دونوں پر فرض ہے اور حجاب صرف عورتوں پر۔ سترِ عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے، حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں ضروری ہے۔

(معارف القرآن، ج7،ص212)

عورت کا ستر یہ ہے کہ وہ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے سوا اپنا پورا جسم چھپائے گی، جس کا کوئی حصہ بھی وہ اپنے شوہر نیز گھر میں محرم مردوں (باپ، بھائی، بیٹے) کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں کھول سکتی؛ البتہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے پورے جسم کو شہوت اور بغیر شہوت دونوں طرح دیکھ سکتے ہیں اور چھو بھی سکتے ہیں۔ شوہر کے علاوہ دیگر محارم کے سامنے مثلاً باپ، بھائی، بیٹا، بھتیجا وغیرہ کے سامنے چہرہ، سر، بال، گردن، بازو اور گھٹنے سے نیچے کا حصہ بہ وقت ضرورت کھولا جاسکتا ہے، مثلاً فرش دھوتے وقت پائنچے اوپر چڑھا لینا یا آٹا گوندھتے وقت آستین اوپر کر لینا وغیرہ۔ اور محرم رشتہ دار بھی عورت کے مذکورہ بالا حصوں کو بغیر شہوت کے دیکھ اور چھو سکتے ہیں اور اگر فتنہ کا خطرہ ہو تو محرم کے سامنے بھی ان اعضا کو کھولنا جائز نہیں۔ اگر کوئی محرم ایسا بے حیا ہو کہ اس کو عزت اور ناموس کی پروانہ ہو، وہ نامحرم کے حکم میں ہے اور اس سے پردہ ہی کرنا چاہیے۔

یہ تفصیلات تو عورت کے ستر سے متعلق تھیں، حجاب کا حکم سترِ عورت پر مستزاد ہے، وہ یہ کہ جب عورت گھر سے باہر کسی ضرورت کے لیے نکلے یا گھر کے اندر غیر محرم مردوں سے سامنا ہو تو اس صورت میں عورت جلباب یعنی بڑی چادر اوڑھ لے؛ تا کہ اس کا پورا جسم ڈھک جائے، ایسے ہی چہرے پر بھی چادر کا ایک پلو ڈال لے۔ اب وہ صرف اپنی آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے، باقی پورا

جسم چھپائے گی۔ یہ چہرے پر نقاب کا حکم ہے، اجنبی مردوں سے عورت کا یہی پردہ ہے جسے ”حجاب“ کہا جاتا ہے۔ اُردو زبان میں اسے ”گھونگھٹ نکالنا“ بھی کہتے ہیں۔ اس حوالے سے ارشاد خداوندی ہے: ”اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور اُنہیں کوئی نہ ستائے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (الاحزاب)

ایک اور موقع پر حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: ”اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔“ (الاحزاب)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپالیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

ابن جریر اور ابن منذر رحمہما اللہ کی روایت ہے کہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبیدہ سلمانیؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا (حضرت عبیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ہوچکے تھے؛ مگر حاضر خدمت نہ ہوسکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدینہ آئے اور وہیں کے ہوکر رہ گئے۔ اُنھیں فقہ اور قضا میں قاضی شریح کے ہم پلہ مانا جاتا تھا)۔ اُنہوں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنی چادر اٹھائی اور اسے اس طرح اوڑھا کہ پورا سر، پیشانی اور پورا منہ ڈھانک لیا اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایسا برقعہ جو چہرے کے علاوہ سارے جسم کو چھپائے وہ شرعی برقعہ نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ شرعی اعتبار سے چہرہ بھی پردے کے تحت داخل ہے اور آج کل بہت سی ماڈرن خواتین چہرے کو پردے سے خارج سمجھ کر کھلے عام یوں ہی گھوم پھر رہی ہیں اور زبان حال سے مردوں کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔

حجاب سے بے حجابی تک:

جاہلیت قدیمہ کی طرح جاہلیت جدیدہ میں ایک بار پھر عورت کی عزت و ناموس پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں، ان کی عصمتوں سے کھلواڑ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، انھیں برہنہ و نیم برہنہ کرکے سر بازار رسوا کیا جارہا ہے اور ایک منصوبہ بند سازش کے تحت انھیں شمع خانہ کے بجائے چراغ محفل بنایا جارہا ہے۔ کل تک علماء و مصلحین خورد و نوش، لباس و پوشاک اور رہن سہن کے مغربی ہونے کا شکوہ ہی کرتے رہے کہ اب برقع اور حجاب بھی تجدد کی راہ پر چل پڑے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ یہ سلسلہ کہاں جاکر ختم ہوگا!

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایک غیرت مند مسلم خاتون ماضی قریب تک حجاب کے سلسلے میں کسی بھی طرح کی مصالحت کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی، اولاً تو وہ بے ضرورت گھر سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی اور ثانیاً کسی ضرورت سے نکلنا پڑ جاتا تو اس طرح پردے اور حجاب کا اہتمام کرتی تھی کہ پہچاننا مشکل ہوجاتا تھا؛ مگر افسوس صد افسوس کہ اب یہی مسلم خواتین جدت پسندی کا شکار ہوگئیں، کل تک جو برقعے لباس و جسم کے جمال کو چھپایا کرتے تھے، آج وہی سرعام دعوت نظارہ دے رہے ہیں، افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ نہ صرف خواتین کو بلکہ سرپرستوں اور ذمہ داروں کو بھی اس کا احساس تک نہیں:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مولانا ڈاکٹر محمد ادریس حبان رحیمی لکھتے ہیں: بعض مسلم خواتین کے اندر بے حجابی کا نظریاتی اور عملی رجحان کہیں نہ کہیں یہ ضرور ظاہر کرتا ہے کہ مذہب پر ہماری گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھنا اور پھر اس کے کچھ احکام کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا، کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ہم اللہ کی مکمل اطاعت کرنے کی بجائے بعض معاملات میں اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔

اسلام ایک عورت کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا سر ڈھک کر رکھے، باہر نکلتے وقت چادر اس طرح اوڑھ کر نکلے کہ جسم کے نشیب و فراز نمایاں نہ ہوں۔ آواز پیدا کرنے والے زیور پہن کر نہ نکلے، ایسی خوشبو استعمال نہ کرے، جس سے لوگوں کی توجہ بطور خاص اس کی طرف ہوجائے۔ کسی نامحرم سے تنہائی میں نہ ملے، اس کی باتوں میں لچک اور لوچ نہ ہو کہ کوئی بدطینت اپنے دل میں گندے خیالات پیدا کرلے۔ زینت کی چیزیں دانستہ ظاہر نہ کرے۔ بغیر محرم کے تنہا سفر نہ کرے، میل جول کی خواتین سے بے تکلفی برتے، ان خواتین سے نہیں جو اس کے لیے اجنبی ہوں، وغیرہ۔

آج تعلیم کے راستے سے بے حجابی کی جو وبا پھیل رہی ہے اس پر ملت کے ہمدردوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ اپنی تہذیب اور اس کی شناخت کو بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم بچیوں کی تعلیم کا علیحدہ انتظام کریں، ذمہ دار

استانیوں سے ان کی تربیت کرائیں، امور خانہ داری میں انھیں طاق بنائیں اور انھیں ان کے فرائض کی یاد دہانی کرائیں۔

(ملخص از: عورت پر اسلام کی مہربانیاں)

برقعہ کے شرائط و اوصاف:

اخیر میں یہ عرض کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اسلام میں کون سا برقعہ پہننا جائز ہے اور کون سا ناجائز؟ قرآن و حدیث کی تصریحات اور مفسرین و محدثین کی توضیحات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، کن شرائط کی رعایت ضروری ہے؟ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ امام ابوبکر جصاصؒ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ: مزین برقعہ پہن کر نکلنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ جب زیور کی آواز تک کو قرآن کریم نے اظہارِ زینت میں داخل قرار دے کر ممنوع کیا ہے تو مزیّن رنگوں کے برقعے پہن کر باہر نکلنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

مختصر یہ کہ فقہائے کرام کے مطابق برقعہ درج ذیل شرائط پر پورا اترنا چاہیے، تبھی اس سے پردے کا مقصد حاصل ہوگا ورنہ نہیں:

۱۔ برقعہ سادہ ہو، اس میں نقش و نگار اور زیب و زینت نہ ہو، اور نہ ہی ایسا رنگ ہو جو جاذبِ نظر ہونے کی وجہ سے مردوں کی توجہ کا سبب بنے۔

۲۔ برقعہ چست نہ ہو کہ اس سے جسم کی ہیئت اور نشیب و فراز ظاہر ہو؛ بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہو، جس سے جسم نمایاں نہ ہوتا ہو۔

۳۔ برقعہ باریک نہ ہو؛ جس سے جسم یا جسم کا لباس ظاہر ہوتا ہو؛ بلکہ وہ اس قدر موٹا ہو جس سے جسم اور اس کا لباس نظر نہ آئے۔

۴۔ برقعہ اس قدر بڑا ہو جس میں جسم اچھی طرح چھپ جائے۔

۵۔ برقعہ مردوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو، اسی طرح کافروں یا دین بیزار عورتوں کے فیشنی برقعہ کے مشابہ بھی نہ ہو؛ کیوں کہ ان لوگوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۶۔ برقعہ پر مہکنے والی خوشبو بھی نہ لگائی جائے، جو مردوں کے لیے فتنے کا سبب بنے۔

(ملخص از: عورت کا پردہ اور برقعہ کیسا ہونا چاہیے؟ ماہنامہ بینات کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کے ایمان اور حیا کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسا برقعہ پہننے کا اہتمام کریں جس میں مذکورہ بالا شرائط پائی جاتی ہوں، جیسا کہ بعض علاقوں میں ٹوپی والے برقعے رائج ہیں، جن میں یہ شرائط پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے برقعے پہننا جو نقش و نگار والے ہوں، جاذبِ نظر ہوں، چست یا باریک ہوں، جس سے جسم نمایاں ہوتا ہو تو واضح رہے کہ یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح مرد حضرات کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی خواتین کو ایسے ناجائز برقعوں سے منع کر کے جائز برقعے پہننے کا پابند بنائیں۔ حق تعالیٰ تمام کو توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین۔

(بشکریہ ماہنامہ دار العلوم مطابق جنوری، فروری 2022ء)

اوکاڑہ اور دیگر شہروں میں ختم نبوت ریلیاں

اوکاڑہ (مولانا عبدالرزاق) اوکاڑہ، دیپال پور، حویلی لکھا، بصیر پور شہر، حجرہ شاہ مقیم، رینا خورد، قصور، پتوکی، چونیاں، الہ آباد، کوٹ رادھا کشن میں ختم نبوت ریلیوں کا بھرپور انعقاد کیا گیا۔ جس کی قیادت سید انظر شاہ بخاری، مولانا احسان صدیقی، مولانا محمد عبداللہ، مفتی وارث، مولانا ندیم سرور معاویہ، ماسٹر عبدالغفار، مولانا محمد مستقیم، مولانا ساجد الرحمٰن اور علماء کی ٹیم نے کی، مولانا سید اکرم ضیاء، مولانا سید اکرام اللہ شاہ بخاری اور قاری شفقت عباس، مولانا زبیر احمد فہیم، مولانا محمد عمیر، مولانا محمد حسن، رابطہ کمیٹی کے احباب کے ہمراہ: مولانا محمد عبداللہ انور، مفتی محمد شعبان، قاری نور محمد، مولانا محمد عثمان، مفتی عاطف محمود، بھائی ابوسفیان، مولانا عمر حیات، مولانا مقصود احمد، یوسف احراری، قاری ذوالفقار، مولانا خالد محمود، مولانا کفایت اللہ، مولانا محمد فاروق، مولانا عبدالرزاق، مولانا حاجی عبدالغنی، مولانا عبدالحق، استاد القراء قاری مشتاق احمد رحیمی، مولانا سید زبیر شاہ ہمدانی، مولانا مظہر شجاع آبادی، حاجی شبیر احمد مغل، میاں محمد معصوم انصاری، مولانا حبیب اللہ، شیخ عماد والے، مولانا محمد نعیم، قاری سیف اللہ رحیمی، مولانا قمر سلیم، خطیب شہر مولانا قاری سعید احمد عثمانی، انجمن تاجران کے صدر سید احسان الحق شاہ گیلانی، قاری لقمان، قاری عبدالوحید، مولانا عبدالقدیر، مولانا حکیم محمد اسحاق بدر، مولانا مفتی عبدالرحیم، محمد انور میلسوی اور مولانا قاری الیاس، مولانا عبدالرزاق نے کی۔ ریلیوں میں انجمن تاجران کے صدر، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت طلبا اسلام کی قیادت سمیت دیگر تنظیموں کے احباب، دکاندار تاجر برادری، مزدور، مدارس عربیہ کے مہتمم، ائمہ، خطبا، علماء قائدین کارکنان ختم نبوت کا جگہ جگہ گلاب کے پھول، پتیوں سے استقبال کیا گیا۔ ریلیوں میں سفید جھنڈے، پاکستانی پرچم، گاڑیوں، موٹر سائیکلوں، پیدل چلنے والے رفقاء نے مختلف کتبے اٹھا رکھے تھے۔ جن پر ختم نبوت زندہ باد، مرزائیت مردہ باد، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی شان والے درج تھا۔ ریلیوں کو کامیاب کرنے کے لئے علمائے کرام نے بھرپور محنت کی۔

آئینہ دیکھنے کا نبوی طریقہ

مولانا محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آئینہ دیکھنے کے وقت) یہ دعا پڑھتے تھے۔

''اَللّٰھم حَسَّنْتَ خَلْقِي فَحَسِّنْ خُلُقِي۔''

ترجمہ: ''اے اللہ! آپ نے مجھے بہت اچھا بنایا ہے، آپ میرے اخلاق بھی اچھے کردیجیے۔''

انسان فطری طور سے حسن و جمال کو پسند کرتا ہے، حسن و جمال کی دو قسمیں ہیں: ایک ظاہری حسن و جمال یعنی اپنا سراپا، دوسرے باطنی حسن و جمال جسے اخلاق کہتے ہیں۔ اول الذکر حسن دکھائی دیتا ہے، اور ثانی الذکر حسن دکھائی تو نہیں دیتا؛ لیکن اس کے انوار و برکات اور ثمرات انسانی زندگی میں دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہری حسن میں ''چہرہ'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور چہرے کے نشیب و فراز اور حسن و قبح سے شخصیت کا امتیاز ہوتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ''چہرہ'' کو جسم کے ایسے حصے میں بنایا ہے کہ دوسرے تو اسے دیکھ سکتے ہیں، خود چہرہ کا مالک اُسے نہیں دیکھ سکتا، اِس لیے خود اپنا چہرہ دیکھنے، اُسے سنوارنے، بالوں میں کنگھا کرنے کے لیے انسان کو آئینہ دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے؛ چناں چہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا جوان یا پھر بوڑھے؛ ہر کوئی اپنی شخصیت اور اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے آئینہ کا محتاج ہے، ایسے موقع پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹی سی دعا کی تلقین فرمائی ہے، دعا ہے تو بہت مختصر؛ لیکن اُس میں معانی کی پوری کائنات پوشیدہ ہے، مذکورہ دعا کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں دو مضمون ہیں: ایک ''اقرار و شکر'' سے متعلق ہے؛ جب کہ دوسرا ''درخواست'' سے تعلق رکھتا ہے۔

خَلق اور خُلُق عربی کے دو لفظ ہیں:

خَلق (خاء کے زبر کے ساتھ) سے مراد ظاہری اوصاف اور انسانی شکل و شباہت ہے۔

خُلُق (خاء اور لام پر پیش کے ساتھ) عربی میں اِس کی جمع اَخلاق آتی ہے، اِس کے معنی پختہ عادت کے ہیں۔ اور اصطلاح میں خلق سے مراد انسان کی ایسی کیفیت اور پختہ عادت ہے جس کی وجہ سے بغیر کسی فکر و توجہ کے نفس سے اعمال سرزد ہوں، یہ اخلاق اچھے اور برے دونوں طرح کے ہوتے ہیں، اِسلام میں اچھے اخلاق یعنی حُسنِ خُلق اور حُسنِ اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، ایک مسلمان کے لیے عمدہ اور حَسین اخلاق کا مالک ہونا بہت ضروری ہے، اخلاقِ حَسَنہ میں: عفو و درگزر، صبر و تحمل، قناعت و توکل، خوش خلقی و مہمان نوازی، تواضع و انکساری، خلوص و محبت جیسے اوصاف قابلِ ذکر ہیں، حسنِ خلق کی بڑی علامت یہ ہے کہ جب کسی پر غصہ آئے اور اُسے سزا دینا چاہے تو نفس کو ہدایت کرے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

''وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔'' (آل عمران: ۱۳۴)

ترجمہ: ''(اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کردیتے ہیں لوگوں کو)۔''

یعنی غصہ کو پی جانا اور لوگوں کی زیادتی اور غلطیوں کو بالکل معاف کرنا اخلاقِ حسنہ کی کسوٹی ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے:

''بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ۔''

(موطا مالک، باب ما جاء فی حسن الخلق: ۲۶۳۲، ۲۶۳۳)

یعنی مجھے حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے؛ چناں چہ تمام اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار، انفرادی اور اجتماعی کردار کے تعلق سے آپ نے امت کو آگاہ کیا اور خود اُس کا حق ادا کردیا اور ایسا کیا کہ قرآن نے ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' (القلم: ۴) جیسے الفاظ میں آپ کے اعلیٰ اخلاق کی شہادت دی؛ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان قرآن ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اخلاق، قرآن کی خاموش تفسیر۔ یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اعمال و اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، آپ اُن سب کا

عملی نمونہ ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنے ارشاداتِ عالیہ میں بڑے موثر اسلوب میں اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے، ایک روایت میں ہے: ’’کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔‘‘ (ابوداؤد)

دوسری جگہ ہے: ’’مومن اپنے حسن اخلاق سے دن میں روزہ رکھنے والے اور رات میں عبادت کرنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔‘‘ (ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی، (یعنی اخلاقِ حسنہ کا درجہ ایمان کے بعد ارکانِ اسلام سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ (ترمذی)

بہر حال! مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حسنِ خلق کا مسئلہ زندگی کے بنیادی مسائل میں سے ہے، اخلاق دراصل زندگی کے طریقے سلیقے اور قرینے کا نام اور اِسی کی تعلیم وتربیت درحقیقت دین کا حقیقی مقصود ہے اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ دینِ اِسلام عبادات سے شروع ہوتا ہے اور اچھے اخلاق پر ختم ہوتا ہے، اور ہمیں زندگی کا وہی سلیقہ اور قرینہ چاہیے جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ سے ہمیں سکھایا ہے، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا وجنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوندِ غالب وقہّار کا غضب ودوزخ ہے، مذکورہ دعا کے اندر سرکارِ دوعالم ﷺ نے تمام اخلاق کو سمیٹ لیا ہے۔

آج مسلمانوں میں اخلاقی گراوٹ اِس درجہ ہے کہ الامان والحفیظ! اور یہی اخلاقی زوال مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے؛ کیوں کہ جب کوئی معاشرہ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوجاتا ہے تو وہاں سے انصاف، رواداری، برداشت، قناعت وتوکل اور خلوص ومحبت سب ختم ہوجاتے ہیں اور اِس اخلاقی انحطاط کی سب سے بڑی وجہ اِسلامی تعلیمات سے دوری ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنتوں سے ناواقفیت ہے، دین بیزاری کے اِس دور میں تو آئینہ دیکھنے کے وقت پڑھی جانے والی اِس دعا کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔

آئیے! ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ سے اخلاقِ حسنہ کے حصول کی دعا کریں، گھروں میں عورتیں اور بچیوں کو اِس کی تلقین کریں؛ کیوں کہ مردوں کے مقابلہ میں، خواتین آئینہ بہ کثرت دیکھتی ہیں، بہتر ہوگا کہ مذکورہ دعا آئینہ کے اوپر لکھ کر چپکا دی جائے۔

حکمت اور پیغامِ نبوی:

۱- جب انسان آئینہ دیکھتا ہے تو دائیں بائیں اور دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے غفلت کے ان لمحات کو ایک دعا کے ذریعہ ذکرِ الٰہی میں مشغول فرما دیا اور آئینہ دیکھنے کو بھی عبادت بنا دیا۔

۲- دعا کے پہلے حصہ میں بندے سے یہ اقرار کرایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے حسن وجمال سے نوازا ہے، اُسے اَشرف المخلوقات کا تمغہ عطا فرمایا ہے، اسے جانوروں میں پیدا نہیں کیا یا اس کا چہرہ جانوروں جیسا نہیں بنایا، جب بندہ اپنے رب کے سامنے اِس بات کا اقرار کرتا ہے تو اُس کے اندر شکر گزاری کے جذبات ابھرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور جذبۂ عُبودِیت میں برابر ترقی ہوتی رہتی ہے اور وہ خود پسندی اور کبرِ نفس جیسے مہلک امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

۳- دعا کے دوسرے حصے میں بندہ سے یہ کہا گیا کہ تم اپنے ظاہری حسن وجمال اور شکل وصورت سے زیادہ باطنی حسن وجمال پر توجہ دو، تم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے حسنِ اخلاق مانگو، یہی انسانیت کا باکمال جوہر ہے اور حسنِ اجسام سے بھی اعلیٰ ہے، صورت اور سیرت دونوں کی بہتری دنیا وآخرت دونوں جگہ کی کامیابی کا زینہ ہے، اور چوں کہ باطنی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں ہے؛ اِس لیے باطنی ترقیات (حسنِ اخلاق) پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

۴- حسن، دنیا کی اُن پُرفریب چیزوں میں داخل ہے جو اکثر اوقات موجب فتنہ ہوجاتی ہیں اور انسانوں کو ایک بدتر حیوان بنا دیتی ہے اور جب شیشہ دیکھنے کی نوبت آتی ہے تو ایک گونہ خود پسندی اور خود نمائی دماغ میں پیدا ہوجاتی ہے؛ لیکن اِس دعا کے ذریعہ اُسی خود پسندی کو ختم کرنے کی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اِس میں ذاتی کمال کون سا ہے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، وہ جب چاہے چھین لے۔

حسن والے! حسن کا انجام دیکھ
ڈوبتے سورج کو وقتِ شام دیکھ

اور جیسے ہر آدمی کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ حسینِ عالم کا خطاب حاصل کرے، اِس موقع پر اُس کو باطنی اور حقیقی حسن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ (چالیس دعائیں، ص:۱۴۱)

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند: فروری، مارچ2020ء)

بانی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ .. ایک عہد ساز شخصیت

قسط:۲

مولانا مقبول احمد سیوہارویؒ

صدیقی خاندان:

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاندان کے بزرگوں میں محمد ہاشمؒ ایک بزرگ، شاہ جہاں بادشاہ کے ندیم (ندیم: ہم نشین اور مصاحب، جو وزیر یا کوئی عہدیدار تو نہیں تھے، البتہ بادشاہ کی مجلسوں میں شریک رہا کرتے تھے) تھے، جنہوں نے نانوتہ میں قیام فرمایا تھا۔

بات بیچ میں آگئی، اس لئے بتانے میں کوئی کچھ حرج بھی نہیں ہے کہ راقم فقیر کے خاندان میں بھی قاسمؒ بن محمدؒ بن ابی بکر صدیقؓ کے پوتوں کے پوتوں میں قاضی محمد زنجانیؒ، شہنشاہ بابر کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے۔ ان کے بھائی محمد حسین بنگال چلے گئے اور قاضی محمد حسن بشن پورہ میں؛ جس کا تعلق سیوہارہ کے پرگنہ سے ہے، آکر آباد ہوگئے اور اسی بستی میں انتقال کر گئے، جہاں اب بھی شاید قبر کا نشان ہے۔ قاضی محمد حسن کے بیٹے سیوہارہ آگئے جن کا نام عبدالرحمٰن تھا۔

عبدالرحمٰن کی اولاد میں شاہ عبدالقدوسؒ بڑے عابد زاہد صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ جن سے سیوہارہ کا صدیقی خاندان چلا ہے اور فقط سیوہارہ ہی میں نہیں، بلکہ نہ جانے کہاں کہاں یہ خاندان پھیلا ہوا ہے!

اچھا تو اب آگے چلو! بات حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی ہو رہی تھی۔ مولانا محمد قاسمؒ نے ابتدائی تعلیم نانوتہ میں پائی۔ یہ قاعدہ بغدادی، سیپارے اور قرآن شریف کی تعلیم تھی اور شاید کچھ اور بھی۔

مولانا نانوتویؒ بچپن سے ذہین تھے۔ مکتب میں جتنے لڑکے پڑھتے، سب سے اول رہتے تھے۔ ابھی تک یہ وبا نہ پھیلی تھی کہ بچے کے آنکھ کھولتے ہی اے، بی، سی، ڈی یاد کرائی جاتی۔ کتا بھاگتا ہے، بلی چوہا پکڑتی ہے۔ ایک بڑا کتا، ایک موٹی بلی کا سبق پڑھایا جاتا۔

قرآن مجید اور راہِ نجات کا زمانہ تھا۔ کلمہ طیبہ، آمنت باللہ و ملائکتہ کا زمانہ تھا۔

مولانا نے قرآن پاک جلد یاد کرلیا، پھر انہیں دیوبند بھیج دیا گیا۔ اس وقت دیوبند میں کوئی بڑا مدرسہ نہ تھا، بس ایک دو مکتب تھے۔ ان میں شیخ مہتاب علیؒ کا مکتب اچھا مکتب سمجھا جاتا تھا۔

شیخ مہتاب علیؒ کون تھے؟ شاید تم نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا نام سنا ہو! ان کے والد کا نام مولانا ذوالفقار علیؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ کے بھائی تھے: شیخ مہتاب علیؒ۔

شیخ مہتاب علیؒ کا مکتب:

اس مکتب میں جس نے پڑھا، کچھ سے کچھ ہوگیا۔ مولانا مہتاب علیؒ: مولانا محمد قاسمؒ کی باتیں سنتے اور ہر دم کتابیں پڑھتے دیکھتے تو کہتے: یہ لڑکا تو ''علم کی بکری'' ہے۔

کہنے میں ہنسی کی بات تھی، مگر دیکھئے اور سوچئے تو کیسی جچی تلی رائے تھی۔

تم نے بکری دیکھی ہوگی! جدھر جاتی اور ہریالی دیکھتی ہے، منہ مارنے لگتی ہے۔ پتے ہوں، ٹہنیاں ہوں، سب کھا جاتی ہے۔ کانٹوں پر بھی منہ مار دیتی ہے اور جب اس کے پیٹ میں کانٹے پہنچ جاتے ہیں تو وہ بھی ہضم ہو کر غذا بن جاتے ہیں، نقصان نہیں پہنچاتے۔

جنہیں علم کی لگن ہوتی ہے، وہ بھی بکری جیسے ہو جاتے ہیں، ہر علم کے جوہر ڈھونڈتے ہیں اور برائیوں سے اچھائی نکال لیتی ہیں۔

مولانا محمد قاسمؒ کا بھی یہی حال تھا کہ جس علم وفن کی کتاب سامنے آجاتی، پڑھ ڈالتے۔ حافظہ بلا کا تھا! جو کچھ پڑھ لیا، دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔

دیوبند جس زمانہ میں پڑھا، اس وقت آٹھ نو سال کی عمر تھی، پھر سہارن پور اپنے نانا شیخ وجیہہ الدینؒ کے ہاں چلے گئے۔

شیخ وجیہہ الدینؒ امیرانہ ٹھاٹ رکھتے تھے۔ فارسی کے عالم تھے، وکیل تھے۔ نواسہ سے بڑے محبت کرتے تھے۔ اردو کے شاعر بھی تھے۔ مگر افسوس کہ مولانا سہارنپور نہ رہ سکے۔ نانا نے انتقال کیا تو سہارنپور سے پھر نانوتہ آگئے، نانوتہ شاید ایک سال رہے۔

اب ایک بات سنو! اگر تم نے ہماری کتاب ''مولانا گنگوہیؒ'' جس میں حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ کا حال ہے، پڑھی ہے تو اس میں مولانا مملوک علیؒ کا نام بھی پڑھا ہوگا! مولانا یعقوبؒ انہی مولانا مملوک علیؒ کے بیٹے تھے۔ مولانا مملوک علیؒ کی تعریف بڑے بڑے لوگوں نے کی ہے اور بڑے بڑے لوگوں نے ان سے پڑھا بھی ہے۔ نانوتہ کے رہنے والے تھے، دِلّی میں رہتے تھے۔ مولانا محمد قاسمؒ سہارنپور سے نانوتہ آئے تو کچھ دن بعد مولانا مملوک علیؒ بھی نانوتہ آئے اور اپنے بیٹے مولانا یعقوبؒ اور اپنے خاندان کے ہونہار نونہال (مولانا) محمد قاسمؒ کو ساتھ دِلّی لے گئے۔

دِلّی میں تعلیم:

مولانا محمد قاسمؒ نے دِلّی میں کیا پڑھا؟ اور کس کس سے پڑھا؟ یہ تو لمبی داستان ہے! سب سے زیادہ مولانا مملوک علیؒ سے پڑھا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے حدیث پڑھی۔

دِلّی میں بڑے بڑے بزرگ رہتے تھے اور جس زمانہ میں مولانا محمد قاسمؒ تعلیم پا رہے تھے، ایک مجذوب بھی پھرا کرتے تھے۔ ان کا نام حافظ عبدالقدیرؒ تھا، لوگ کہتے تھے کہ یہ بڑے بزرگ ہیں۔ جو کچھ زبان سے نکل جاتا ہے، پورا ہو جاتا ہے۔ بات کرتے تو اوٹ پٹانگ کرتے۔ ایک ایران کی کہی تو ایک توران کی، ایک زمین کی کہی تو ایک آسمان کی۔

ایک دن مولانا محمد قاسمؒ کسی گلی میں جا رہے تھے، بغل میں بخاری شریف دبی ہوئی تھی، سامنے سے حافظ عبدالقدیر صاحبؒ آئے اور بخاری شریف چھین کر چل دیئے، آگے آگے حافظ صاحبؒ، پیچھے پیچھے مولاناؒ۔ مولاناؒ کو شاید یہ بھی ڈر ہوگا کہ بخاری شریف کو پھاڑ نہ دیں۔ کچھ دور چلے تھے کہ ایک بھڑبونجے (اناج کے دانے بھوننے والے) کی دکان آ گئی۔ بھاڑ (چولھا یا بھٹی جس پر اناج کے دانے بھونے جاتے ہیں) چڑھا ہوا تھا، حافظ صاحبؒ بیٹھ گئے اور بخاری شریف کے ورق لوٹنے لگے۔ ورق لوٹتے جاتے تھے، اور من من کرتے جاتے تھے۔ پھر بخاری شریف مولاناؒ کو دے کر یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ:

"جا! تو بڑا عالم ہوگا۔"

حافظ صاحب مجذوبؒ نے مولاناؒ کو بڑا عالم کہا، مگر وہ تو عالم گر تھے، جنہوں نے ہزاروں کو عالم بنا دیا اور ایک ایسا سانچہ بنا کر چھوڑ گئے کہ جو کوئی اس سانچہ میں ڈھلے گا، عالم بن جائے گا۔

مولانا محمد قاسمؒ کا علم فقط یہی نہیں تھا کہ جو کچھ کتاب میں پڑھ لیا، اسے کچھ بڑھا کر یا کم کر کے بتا دیا۔

ان کا علم تو ایسا تھا کہ جب تم اس کی داستانیں سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔

پادری لوگ انگریزی حکومت کے بل بوتے پر جگہ جگہ جلسے کرتے پھرتے تھے، وہ ہندوؤں کے اوتاروں کی بھی ہنسی اڑاتے اور مسلمانوں کے پیشواؤں کو بھی برا کہتے تھے۔

شاہ جہاں پور کا جلسہ:

بات یہ ٹھہری کہ شاہ جہاں پور میں ایک جلسہ ہو۔ ہندو بھی ہوں، مسلمان بھی ہوں، عیسائی بھی ہوں، اپنی اپنی سب کہیں۔ پادریوں کو یہ گھمنڈ تھا کہ ہم مسلمان مولویوں کو ہرا دیں گے۔ یہ بیچارے کیا ہیں! پھٹے کپڑے پہننے والے، سوکھے ٹکڑے کھانے والے، ہمارا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟

جلسہ میں ہزاروں آدمی تھے۔ ہندوؤں کے بڑے بڑے پنڈت، عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری، مسلمانوں کے بڑے بڑے مولوی۔ خوب خوب تقریریں ہوئیں۔ پادریوں سے بولا تک نہ گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے سامنے بھلا کون بول سکتا تھا! اس جلسہ کی داستان اب بھی کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔

آخری دن مولانا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اخلاق پر وعظ فرمایا، وعظ کیا تھا، بس کرامت تھی۔ پیکر اخلاق عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقشہ کھینچا تو لوگوں کا یہ حال تھا کہ حضرت کو ٹکٹکی باندھے تک رہے تھے، جیسے کسی کو سکتہ ہو جائے اور پلک نہ جھپکائے۔ سننے والے سن رہے تھے، کچھ روتے جاتے تھے، کچھ سبحان اللہ! کے نعرے لگا رہے تھے۔

ہندو بھی، عیسائی بھی، بڑے بڑے پادری بھی چپ رہے اور مجال نہ تھی کہ جنبش کر سکیں۔ پھر حضرتؒ نے جب یہ فرمایا: اب کوئی انصاف سے بتائے کہ ایسے اخلاق کی ہستی مثال میں پیش کی جا سکتی ہے؟ تو اس وقت کسی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، کسی کی آنکھوں میں حیرت تھی کہ یہ انسان بول رہا ہے یا قدوسی آوازیں ہیں!

تقریر کا اثر:

ای نک صاحب ایک پادری شاہ جہاں پور سے بریلی آئے اور کسی نے حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی تقریر کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے: "اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آنا چاہئے تھا۔"

ایک نیک دل ہندو نے کہا: "واہ! کیا تقریر تھی، یہ تو کوئی اوتار ہوں تو ہوں!"

مولانا محمد قاسم صاحبؒ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے: "دو آدمی وعظ کہہ سکتے ہیں۔ ایک

محقق (ایسا عالم جسے تحقیق کا درجہ حاصل ہو) اور ایک بے حیا۔ میں بے حیا ہوں، اس لئے وعظ کہہ لیتا ہوں۔ اللہ، اللہ! کیا انکسار تھا!‘‘

کسی شاعر نے لکھا ہے:

آن کس کہ بداند وبداند کہ نہ داند
اسپ طلب خویش بہ افلاک رساند

ترجمہ: ’’جو سب کچھ جانتا ہو اور یہ سمجھے کہ میں کچھ نہیں جانتا، اس کی طلب کا گھوڑا آسمان تک پہنچ جائے گا۔‘‘

حضرت مولانا محمد قاسمؒ ایسے ہی بزرگوں میں تھے۔

بخاری شریف: حدیث کی ایسی کتاب ہے، جس کو سمجھے اور دورہ کیے بغیر عربی پڑھنے والا پکا مولوی نہیں بنتا۔ اس میں حدیثوں کا خزانہ بھی ہے اور مسائل شرعی کی کسوٹی بھی ہے۔ امام بخاریؒ نے ایک ہی حدیث سے طرح طرح کے مسائل نکالے ہیں۔

بخاری کی شرح بڑے بڑے عالموں نے لکھی ہے، ان میں مولانا احمد علیؒ بھی ہیں۔ مولانا احمد علیؒ سہارنپور کے رہنے والے تھے، دِلّی میں ان کا چھاپہ خانہ تھا، خدا نے انہیں بڑا علم دیا تھا، بخاری کی شرح بھی لکھی ہے۔ آخر کے پانچ یا چھ پاروں کی شرح حضرت مولانا محمد قاسمؒ سے لکھوائی ہے۔ یہ اسی زمانہ کی بات ہے، جب مولانا دِلّی میں تھے۔

وہ شرح کیسی ہے؟ مختصر بات یہ ہے کہ بڑے بڑے عالم اُس شرح کو دیکھتے ہیں اور حیران رہ جاتے ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ مولانا محمد قاسمؒ فقط عالم ہی نہ تھے: جو چند گنی چنی کتابیں پڑھ کر سند حاصل کر لیتا ہے اور مدرسہ میں بیٹھ کر کتابیں پڑھانے لگتا ہے، بلکہ وہ علم کا سمندر تھے۔

مولانا محمد قاسم عالمؒ بھی تھے اور درویش بھی تھے اور وہ تمام خوبیاں جو صاحب حال درویشوں میں ہوتی ہیں، انہیں کمال کے درجہ پر حاصل تھیں۔

زیادہ چپ رہتے تھے، سادہ لباس پہنتے تھے۔

سادہ زندگی:

دیہات اور قصبوں میں ٹرنک، اٹیچی اور بکس تو تھے نہیں، یا تو پٹارے تھے یا ایک چوکور گاڑھے کا کپڑا، سادہ یا چھپا ہوا۔ اس میں کپڑے بندھ جاتے تھے اور اسے گٹھڑی کہتے تھے۔ ان گٹھریوں میں ہر اک اپنے اپنے کپڑے الگ رکھ دیتا تھا۔ حضرت مولانا کے پاس گٹھری بھی نہ تھی اور ہوتی بھی کہاں سے؟ عمر بھر حد سے حد، دو جوڑے رہتے تھے، ایک بدن پر اک باہر۔ جس حجرہ میں رہتے تھے نہ وہاں قالین اور غالیچے بچھے تھے، نہ دری تھی، چٹائی بھی تھی تو ٹوٹی ہوئی۔ ایک نیلی لنگی رہتی تھی۔ کپڑے زیادہ سے میلے ہو گئے، تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار دیئے اور خود ہی دھو ڈالے۔ لباس کیا تھا؟ بغیر کُرتے کے بندوں دار اچکن، یا انگا اور پاجامہ، جاڑا ہو تو چھوٹا سا عمامہ یا روئی کا کنٹوپ (ایک قسم کی بڑی ٹوپی جو دونوں کانوں تک آتی ہے۔) سر پر رہتا تھا۔

حضرت مولانا کے شاگرد، مولانا احمد حسن امروہیؒ نے شاہ جہاں پور کے سفر کا حال لکھا ہے، جب بڑے بڑے پادریوں سے مباحثہ کرنے چلے تھے۔ یہ بڑا دلچسپ حال ہے! تم سوچو گے اتنے بڑے مجمع کے لئے نہ جانے کیسا شاندار جبّہ بنایا ہوگا، کیسا عمامہ ہوگا، کیسی بھڑک دار چادر ہوگی، کہ جو کوئی دیکھے، دیکھتا رہ جائے کہ یہ ہیں بڑے مولوی صاحب!

مولانا احمد حسنؒ لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں پور سے جہاں مباحثہ کا میلہ تھا، جانے کے لئے راستہ میں ندی پڑتی تھی۔ مولانا پیدل جارہے تھے، ندی میں پانی تھا۔ پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اُتر گئے۔ پار اتر کر لنگی باندھی، پاجامہ نچوڑ کر اور لاٹھی پر ڈال کر کندھے پر رکھ لیا اور چل دیئے۔ شاگرد ساتھ ہوتے تھے تو برابر برابر چلتے تھے، آگے بڑھ کر نہ چلتے تھے۔ جب تک قوت رہی، سواری پر نہ چلتے تھے۔

دہلی کے زمانہ تعلیم کی بات ہے۔ مولانا احمد علیؒ کے مطبع میں کام کرتے تھے۔ اگر کوئی مولوی صاحب کہتا تو نہ بولتے اور نام لے کر پکارتا تو خوش ہو جاتے، اور سب سے عجیب عمل یہ تھا کہ اگر کہیں ایسی جگہ پہنچتے، جہاں جاننے والے نہ ہوتے تو اپنا تاریخی نام خورشید حسین بتا دیتے، محمد قاسم نہ بتاتے کہ جلوس اور تعظیم کے مظاہرے نہ ہونے لگیں! غریبوں سے زیادہ میل جول رکھتے تھے اور اگر کوئی غریب دعوت کرتا تو بڑی خوشی سے قبول فرما لیتے۔ تم دیکھ رہے ہو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو! جن کی تمام ہندوستان میں دھوم تھی، جن کے بنائے ہوئے مدرسوں سے ہزاروں مولوی سال بہ سال اپنے گھروں کو دولت علم لے کر جاتے ہیں، اور مخلوق خدا کو فیض پہنچاتے ہیں۔

دِلّی کے قیام کے زمانہ کا ذکر ہے۔ مولانا مملوک علیؒ کا مکان چیلوں کے کوچہ میں تھا۔ مولانا مملوک علیؒ کا انتقال ہو گیا اور ان کے بیٹے مولوی محمد یعقوبؒ نوکری پر اجمیر چلے گئے، تو مولاناؒ اسی مکان میں رہتے تھے۔ مکان دو منزل کا تھا، دوسری منزل پر ایک چار پائی پڑی رہتی تھی۔ چار پائی کیا تھی؟ جھلنگا تھا، نہ پائنتی نہ ثابت بان۔ بس اسی جھلنگے پر مولانا پڑے رہتے تھے۔ روٹی

پکوا لیتے اور کئی کئی دن تک سوکھے ٹکڑے کھاتے رہتے۔ کھانا پکانے والے سے مولانا یعقوبؒ کہہ گئے تھے کہ ہر کھانے کے وقت مولاناؒ کو سالن دے دیا کرنا۔ وہ سالن پیش کرتا تو انکار کردیتے، بار بار کہتا تو قبول کرلیتے، ورنہ سوکھے ٹکڑے چبا کر پانی پی لیتے اور جھلنگے میں پڑ رہتے۔

بخاری شریف کی شرح:

اسی زمانہ میں بخاری شریف کے چھ پاروں کی شرح لکھی ہے۔ تنہا مکان تھا۔ رات رات بھر خدا کے ذکر اور فکر میں رہتے۔ محویت اور جذب اتنا بڑھ گیا تھا کہ نہ بالوں کی صفائی کا خیال تھا، نہ حجامت کی فکر تھی، نہ میلے اور پھٹے کپڑوں کی پروا تھی۔

مُرید:

یہ بات ہم تمہیں بتانا بھول گئے ہیں کہ دلّی میں مولانا مملوک علیؒ سے جس زمانہ میں پڑھتے تھے، لگ بھگ اسی زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے مرید ہوچکے تھے، جن کی توجہ خاص نے مولاناؒ کو کچھ سے کچھ کردیا تھا۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے:

”اس علم نے خراب کیا، ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی مجھے نہ جانتا۔“

خواب:

مولانا محمد قاسمؒ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں خدا کی گود میں بیٹھا ہوں۔ یہ خواب حضرتؒ کے دادا نے سنا تو فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہیں علم عطا فرمائے گا، اور تمہارا شمار بڑے درجہ کے علماء میں ہوگا۔“

ایک دفعہ خواب دیکھا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ پھر اس خواب کی تعبیر تو دنیا دیکھ رہی ہے کہ قاسم العلوم والخیراتؒ کے علم کے چشمے ہندوستان کے کونہ کونہ تک پہنچ گئے ہیں اور جہاں بھی دینی مدرسے نظر آتے ہیں، حضرتؒ ہی کے خواب کا ظہور ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کا ارشاد:

جس زمانہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایک بڑے نامور اور بزرگ درویش، گنج مرادآباد ضلع اناؤ میں خلق خُدا کی رہبری فرما رہے تھے۔ ان کا اسم گرامی حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰنؒ تھا۔ پورے اودھ میں اُن کے فیض نے اُجالا کر رکھا تھا۔

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ نے بھی اُسی دریائے علم سے پیاس بجھائی، جسے خاندان شاہ ولی اللّٰہی کہتے ہیں۔ حضرت شاہ محمد آفاقؒ کے مرید تھے، نقشبندیہ سلسلہ کے امام گزرے ہیں۔ کشف اس درجہ کا تھا کہ اگر ان کی داستانیں بیان کی جائیں تو ایک کتاب بن جائے، عالم بے بدل تھے اور درویش باکمال تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی نوعمری کا زمانہ تھا، کسی نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کے سامنے مولانا محمد قاسمؒ کا ذکر کیا، تو فرمایا کہ: ”انہیں تو کم عمری ہی میں ولایت مل گئی ہے۔“

مولانا محمد قاسمؒ اپنے شاگردوں اور معتقدوں کی بھی ایسی تعظیم کرتے جیسے کوئی اپنے بڑے کی تعظیم کرتا ہے۔ ہر ایک کا پورا نام لیتے، اور ہر ایک کا نام ”میاں“ کہہ کر لیتے: ”میاں منصور! میاں محمود حسن! میاں احمد حسن!“ کسی کو یہ نہ کہتے کہ میرا مرید ہے یا شاگرد ہے، بلکہ: ”یہ میرے دوست ہیں، مہربان ہیں، میرے عنایت فرما ہیں۔“ کسی غریب کو کوئی حقارت سے دیکھے، یہ کبھی گوارا نہ کرتے تھے۔ حد یہ کہ اگر کوئی سوال کرنے والے بھک منگے کو جھڑکتا تو بہت ناخوش ہوتے۔ ایک دفعہ گلاوٹھی تشریف لے گئے۔ سیّد مہربان علی رئیس کے ہاں وعظ فرمانا تھا۔ اتفاق سے کسی بھک منگے نے سوال کیا، نوکروں نے منع کیا، تب بھی نہیں مانا اور سوال کرتا رہا، نوکروں نے جھڑکا اور تھپڑ بھی مار دیا، جس پر وہ غریب روتا چلا گیا۔ یہ خبر حضرتؒ کو بھی کسی نے پہنچادی۔ سید صاحب سے تو کچھ نہ بولے، نوکر سے یہ کہتے ہوئے عصر کی نماز کے لئے چلے گئے: تم نے اس غریب کو کیوں مارا؟ تم بھی دنیا میں ہمیشہ نہ رہو گے۔ عصر کی نماز پڑھ کر سید مہربان علی کے مکان پر نہ آئے اور جنگل کی طرف چلے گئے اور ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے۔ اس وقت حضرتؒ پر جلال کی کیفیت طاری تھی، کسی میں ہمت نہ تھی کہ کچھ کہے۔ سیّد مہربان علی نے اس فقیر کو بلا کر پانچ روپے دیئے اور اسے حضرتؒ کی خدمت میں بھیجا کہ خوشامد کرے اور بلا کر لائے۔ حضرتؒ کو جب یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب نے فقیر کو خوش کردیا ہے تو واپس تشریف لائے اور وعظ فرمایا۔

سچ پوچھئے تو دیوبند کے مدرسہ کے لئے کسی ایسے ہی عالم کی ضرورت تھی جو علم میں بھی کامل ہو اور جسے خدا کی قربت بھی حاصل ہو۔ صاحبِ دل ہو۔ درویش ہو۔ جو کچھ کہے، دل سے کہے۔ اور جو اشارہ کرے، مشیت الٰہی کا اشارہ ہو۔ مولانا محمد قاسمؒ عالم بھی تھے اور درویش بھی تھے اور وہ تمام باتیں جو صاحبِ کمال درویشوں میں ہوتی ہیں، ان میں موجود تھیں۔

(جاری ہے)

دعوتِ دین.....چند گم نام گوشے

محترم عبدالمتین صاحب

قرآن میں موجود انبیا کرام کے قصص:

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے بہت سے موضوعات کے ساتھ ساتھ انبیا کرام کے قصوں کو بھی ذکر فرمایا ہے اور قرآن کی زبان میں اس مضمون کا مقصد عبرت قرار دیا ہے:

’’لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ‘‘ (الیوسف:111)

ترجمہ:’’یقیناً انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصوں میں عقلمندوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔‘‘

لہٰذا قرآنی قصے قصہ برائے قصہ نہیں، بلکہ قصہ برائے عبرت کے اصول سے مذکور ہیں، تا کہ ہم انسان ماضی کے ان قصوں کو سمجھ کر سبق سیکھیں، اپنے حال کا تجزیہ کریں اور اپنے مستقبل کے لیے حکمت عملی طے کرسکیں۔

ان قصوں میں چند معروف انبیا کے قصے بالخصوص مذکور ہیں، جن میں حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف علیہم السلام کے قصے ہیں۔ ان قصوں میں غور کیا جائے تو انبیا کی دعوت کے کئی پہلو واضح نظر آتے ہیں، جس سے ان کی دعوت، حکمت اور طریقہ کار کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، انبیا کرام کی اس دعوت میں ایک جملہ بار بار پڑھنے کو ملتا ہے:

’’وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ‘‘ (شعراء:109)

ترجمہ:’’میں تم سے اس دعوت کے بدلے کوئی معاوضہ نہیں مانگ رہا، اس کا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔‘‘

یہ آیت غور وفکر کرنے سے اپنے اندر کئی معانی اور دقیق امور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

داعی کی پوزیشن:

اس آیت سے ایک اہم نکتہ یہ سمجھنے کو ملتا ہے کہ داعی صرف رٹے رٹائے جملے نہیں دہراتا، بلکہ اسے اس بات کی بھی فکر ہوتی ہے کہ مخاطب کے ذہن میں میری شخصیت اور کردار کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے۔ تبھی وہ اپنی شخصی حیثیت بھی واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں، تا کہ کوئی خلش کارِ دعوت میں رکاوٹ کا سبب نہ بنے، لہٰذا اکثر انبیا علیہم السلام کی دعوت میں اس طرح کے جملے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انبیا کرام داعی اپنے مدعو کے ذہنی سانچے کو سمجھتے ہوئے اپنی Actual Position ’’واقعی حیثیت‘‘ واضح کرنا چاہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعو یہ سمجھنے لگے کہ شاید اس کا کوئی ذاتی مفاد اس کام سے وابستہ ہے۔

دعوت اور حکمت عملی کا فقدان:

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ داعی کو بھرپور حکمت سے کام لینا چاہیے، موجودہ دور میں کارِ دعوت میں مصروف حضرات اس نکتے کو نہ سمجھ کر مشکلات پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، مثلاً داعی اگر اجنبی ہے تو دعوت کا سارا زور اجنبیت کی نذر ہو جاتا ہے اور مدعو اپنی ساری صلاحیت اس کی دعوت سے زیادہ اس کی شخصیت کے سمجھنے میں لگاتا ہے اور یہ مرحلہ اسے بہت سی بدگمانیوں میں بھی مبتلا کرسکتا ہے، مثلاً کہیں یہ جاسوسی کرنے تو نہیں آیا وغیرہ۔ اس لیے ضروری ہے کہ داعی سب سے پہلے اپنا چھوٹا موٹا تعارف کرائے کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ مصروفیت کیا ہے؟ ملاقات کس سلسلے میں ہو رہی ہے؟ اس طرح اپنے مدعو کو اعتماد میں لے کر بھرپور دعوت دے سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دورِ مکی میں اپنی دعوتی تحریک سے قبل ہی صادق وامین کے لقب سے معروف رہے اور پھر:’’فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ‘‘ (یونس:16)

ترجمہ:’’میں اس دعوتی تحریک سے قبل تمہارے بیچ ایک عمر گزار چکا ہوں۔ جیسے جملے استعمال فرمائے، تا کہ سب کے ذہن میں یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص جو مشن لے کر چلا ہے اس کا مقصد خالص ہمدردی اور خلوص پر مبنی ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی بھی مقصد نہیں۔

داعی کا معاشرے سے کٹ کر رہنا:

ایک اہم مسئلہ داعی کی معاشرت کا انداز

ہے، اگر داعی اپنی معاشرت سے کٹ کر رہتا ہے اور اپنی چھوٹی دنیا بنا کر اپنے ہم ذہن، ہم آہنگ اور ایک ہی طرح کی مجالس میں نشست برخاست رکھتا ہے اور اس کی کل مصروفیت عام علاقائی لوگوں سے ہٹ کر رہتی ہے تو یہ رویہ بھی اس کی دعوت پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور لوگوں کا یہ ذہن بنتا ہے کہ اس کا ہم سے کوئی خاص واسطہ نہیں، بس رسمی طور پر مخصوص مواقع یا دنوں میں دعوت دینے آتا ہے تو وہ ایسے شخص کو غیر سنجیدہ، خود غرض سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ داعی اپنے آس پاس کے تمام لوگوں سے گھل مل جائے، ان کی خوشی، غمی، انتظامی مصروفیات میں پیش پیش رہے، وہ اس انتظار میں نہ رہے کہ لوگ میرے حلقہ درس میں، دارالافتاء میں یا مسجد میں آکر دین سیکھیں گے، بلکہ وہ خود مختلف مواقع کو دعوت کا ذریعہ بنائے، مثلاً نکاح ولیمے کی تقاریب، عیادت، تجہیز، تدفین، تعزیت کے مواقع، ایسے مواقع میں فقط جنازہ پڑھانے یا نکاح پڑھانے نہ جائے، ورنہ لوگوں کا یہ ذہن بنے گا کہ یہ بلانے پر جنازہ پڑھانے آتے ہیں اور ڈیوٹی پوری کر کے چلے جاتے ہیں، نکاح کی اجرت ملتی ہے تو پڑھانے آجاتے ہیں، ورنہ شرکت ہی نہیں کرتے۔ لہٰذا عیادت سے لے کر تعزیت تک، نکاح سے ولیمے تک، ہر تقریب میں پیش پیش رہے اور یہ تاثر دے کہ وہ ان کے غم خوشی میں برابر کا شریک ہے اور ان کے مالی جانی کسی بھی طرح کام آسکتا ہے (اپنی حیثیت کے مطابق)۔

داعی منگتا نہیں دیالو بنے:

ہر موقع پر داعی سے لوگوں کو فائدہ پہنچے یہ اپنا فائدہ لوگوں میں تلاش نہ کرے، مثلاً ایسا نہ ہو کہ غسل میت کی خدمت کو بدعتی تحفوں کی نذر کر دے، جنازہ پڑھانے کی خدمت کو مخصوص عقیدے کا رعب جمانے کا ذریعہ بنائے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ نکاح، ولیمے کی تقاریب میں شرکت کرے اور تحفہ ضرور کر لے جائے، تاکہ یہ وبائی تاثر ذہن سے نکلے کہ یہ صرف لینے والے ہیں دینے والے نہیں، کبھی چندہ، کبھی صدقہ، کبھی زکوٰۃ، کبھی عطیات، کبھی قربانی کی کھال اور کبھی قرضہ وغیرہ، اس مانگنے کے تسلسل نے کار دعوت کو عموماً اور اس کے حاملین کو خصوصاً معاشرے کو ''منگتے'' کا تصور دیا ہے اور یہ عام نفسیاتی عمل ہے کہ جب ہم کسی سے مسلسل لیتے ہیں تو وہ ہمیں بہر حال کسی نہ کسی درجے میں حقیر ضرور سمجھتا ہے اور جب حقیر دعوت دیتا ہے تو اس کی ہلکان شخصیت دعوتی اثرات کو محدود کر لیتی ہے۔ لہٰذا داعی ایسے مواقع میں بھرپور تحفہ تحائف کی ادائیگی والے رویے سے کام لے۔

معاشرے کی انتظامی ضروریات اور داعی کا ممکنہ کردار:

اپنے ماحول میں انتظامی امور پر توجہ دینا یہ بھی دعوتی میدان کو وسیع کرنے کا مفید ہتھیار ہے، جیسا کہ ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی پنچائت، ویلفیئر یا انجمن وغیرہ علاقے کے نزاعی، اختلافی، سیاسی، پانی بجلی گیس، گلی سڑک کی تعمیر اور سیوریج کے انتظامی نوعیت کے بے شمار مسائل کو اپنا موضوع بناتی ہے تو داعی ان امور کو اپنی توجہ کا مرکز بنا سکتا ہے، اپنا مطمح نظر نہ سہی، لیکن ایک دعوتی وسیلے کا ذریعہ تو بنا سکتا ہے۔ خدمت خلق کی نیت سے ان امور کی شنوائی یا متعلقہ انتظامیہ تک ان امور کی رسائی جتنا کام تو ضرور کر سکتا ہے اس طرح وہ اپنے لوگوں کے بیچ ایک صاحب فکر ونظر، خدمت خلق کے جذبات سے معمور اور ایک ہمدرد فرد کے طور پر ابھر سکتا ہے اور چوں کہ داعی یہ سارے کام بے غرض انجام دے رہا ہوگا جس کا مقصد کسی سیاسی پارٹی کا ووٹ بینک بنانا یا سرکاری نوکری کا حصول نہیں ہوگا تو یہ ساری خدمات خود بخود اس کے دعوتی مشن کو تقویت دینے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ ان شاء اللہ۔

معاشرے کی فکر اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا دعوتی اسلوب:

مذکورہ طریقہ کار کا بھرپور مظاہرہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور دعوتی تحریک میں دیکھنے کو ملتا ہے، وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وجبر سے بچانے کی کوشش میں مگن نظر آتے ہیں اور جیسے ہی اس بربریت سے ان کو چھٹکارا دلا کر انصاف دلاتے ہیں تو قوم خود کہتی ہے کہ اب ہم اللہ کے احکام کی باقاعدہ پابندی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں، جس کے بعد توریت کا نزول ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو انصاف دلا کر ان کی خدمت کرنا خود بخود ان کی دعوت دین کی تقویت کا ذریعہ بن گیا۔

لہٰذا داعی اپنے معاشرے میں موجود بہت سے مسائل کی طرف متوجہ ہو کر ان کو ایک وسیلے کے طور پر استعمال کر سکتا ہے، جس کا نتیجہ تحریک کی کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

نتیجہ سے بے فکری:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دعوتی امور منجانب اللہ نتیجہ دکھاتے ہیں اور داعی کو نتیجہ کی فکر کیے بغیر اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے، لیکن حقیقت

یہ ہے کہ بعض اوقات نتیجہ ہماری اپنی غلط منصوبہ بندی یا منصوبہ بندی ہی نہ ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ اسی طرح دعوت میں خلوص نیت کا اثر ستون کی مانند ہے، اگر نیت میں کسی بھی طرح کے مفاد کا کھوٹ پیدا ہوا، مثلاً عہدہ، منصب، کاروبار، ملازمت، شہرت، سیاست چمکانا وغیرہ تو بظاہر یہ مادی فوائد شاید حاصل ہو بھی جائیں، لیکن ایسی دعوت پھر دعوت الی اللہ نہیں، بلکہ دعوت الی الاشیاء ثابت ہوگی اور روز محشر ہمارے گلے کا طوق بن کر سامنے آئے گی۔

یہی وجہ ہے کہ انبیا علیہم السلام اس جملے کو بار بار دہراتے ہیں کہ ہم تم سے کچھ بھی مانگنے نہیں آئے اور اس سے آگے جو جملہ ہے: ''إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ'' یہ پہلے جملے میں موجود دعوے کی دلیل ہے کہ میری اجرت، معاوضہ وہ دے گا جو اپنی ذات میں فقط اللہ نہیں، بلکہ رب العالمین کی عالی صفت سے بھی موصوف ہے، جو اس عالم میں تنکے سے لے کر کہکشاں تک سب کو پالتا ہے، وہی مجھے بھی پال رہا ہے۔

کچھ منتشر گزارشات فقط اس ارادہ سے پیش خدمت ہیں کہ ہماری نیت ، ارادے، طریقہ کار اگر درست ہو تو ہماری دعوت ان موجودہ حالات میں بھی رنگ لاسکتی ہے اور ہم اپنی ذمہ داریوں میں پورا اتر سکیں گے، ان شاء اللہ! ☆

اُستاد کے روپ میں ناسور!

کامسیٹس یونیورسٹی سے متعلقہ حالیہ اسکینڈل نے تو جیسے دماغ ہی سن کر دیا ہو۔ یقین نہیں آ رہا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہ بھی ہوسکتا ہے۔ استاد کے روپ میں چھپے ناسور نے انگریزی کے پرچے میں جو سوال کیا وہ اتنا بے ہودہ، غیر اخلاقی اور گھٹیا تھا کہ اُس کی بے ہودگی اور گھٹیا پن کو Explain کرنے کے لیے میرے پاس مناسب الفاظ تک موجود نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں کسی بڑے سے بڑے روشن خیال یا مغربی ثقافت کے پیروکار کو بھی یہ گمان نہ ہوا ہوگا کہ کسی تعلیمی ادارے میں کوئی ناسور اس حد تک غلیظ سوچ کا مالک ہوسکتا ہے۔ میں تو وہ سوال جو پرچے میں طالب علموں سے پوچھا گیا اُس کو لکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ کیسا شیطان صفت استاد تھا، اُس نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جو سوال وہ پوچھ رہا ہے ایسا سوال تو امریکا، برطانیہ، یورپ تک میں پوچھنے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اُس کو تقدس کے حامل رشتوں کا بھی خیال نہ آیا۔ اُس نے نوجوان طلبا و طالبات کے ذہنوں میں ایک ایسا زہر گھولنے کی کوشش کی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب تک کی خبروں کے مطابق یہ حیوان انگریزی کا لیکچرار تھا، جسے یونیورسٹی انتظامیہ نے اس واقعہ کے بعد اپنی فیکلٹی سے نکال کر بلیک لسٹ کردیا ہے، لیکن یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں۔ اس حوالے سے سخت کارروائی کی جانی چاہیے۔ ایک طرف حکومت کو مکمل انکوائری کروا کر پہلے یہ واضح کرنا چاہیے کہ اس حرکت میں تعلیمی ادارے کا کوئی اور بھی فرد شامل تھا یا نہیں؟ اس ناسور نے اگر یہ پرچہ بنایا تو کیا تعلیمی ادارے میں کسی دوسرے استاد یا انتظامیہ کا اس میں کوئی عمل دخل تھا یا نہیں؟ جو کچھ ہوا اس پر کسی کو ملازمت سے نکالنا یا اُسے بلیک لسٹ کرنا ناکافی ہے۔ اس حرکت پر ریاست کو سخت ایکشن لینا چاہیے۔ کامسیٹس یونیورسٹی انتظامیہ کا بھی احتساب ہونا چاہیے، جب کہ متعلقہ استاد کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ اُس کے خلاف ایف آئی آر درج کروا کر اُسے گرفتار کیا جانا چاہئے۔ ریاست اس بات کو یقینی بنائے کہ اُس کو عدالت کے ذریعے سزا دلوا کر نشان عبرت بنایا جائے۔ کچھ تعلیمی اداروں کے بارے میں یہ شکایات ملتی رہتی ہیں کہ وہاں چند اساتذہ بچوں کو اسلام ہی سے گمراہ کرنے کا کام کررہے ہیں۔ کامسیٹس یونیورسٹی کے واقعہ سے اس بات کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے کہ وفاقی و صوبائی حکومتیں تمام تعلیمی اداروں کی مانیٹرنگ کا ایک نظام وضع کریں، تاکہ ایک طرف تو تعلیمی اداروں کے ماحول کو بگڑنے سے بچایا جائے تو دوسری طرف تمام اساتذہ کی اسکریننگ کو لازم قرار دیا جائے، تاکہ استاد کے روپ میں چھپے کسی ناسور کو یہ موقع ہی نہ ملے کہ وہ ہماری نئی نسل کے ذہنوں کو زہر آلود کرے یا اُنہیں اپنے دین سے گمراہ کرنے کی کوشش کرے۔ پہلے ہی تعلیمی اداروں، خصوصاً انگریزی میڈیم کے اسکولوں اور کالجوں و یونیورسٹیوں کے متعلق طرح طرح کے اسکینڈلز سامنے آرہے ہیں۔ ایک طرف اگر ایسے تعلیمی ادارے مغرب سے مرعوب ذہنی غلام پیدا کررہے ہیں تو دوسری طرف یہ معاشرتی بگاڑ، اخلاقی گراوٹ اور منشیات کے استعمال کا گڑھ بنتے جارہے ہیں۔ حال ہی میں لاہور کے ایک مہنگے انگریزی اسکول کی بچیوں کا واقعہ ابھی ذہنوں میں تازہ ہے۔ چند سال پہلے حکومت کی اپنی ایک رپورٹ کے مطابق اسلام آباد جیسے شہر میں تعلیمی اداروں میں منشیات استعمال کرنے والے بچوں اور بچیوں کی تعداد خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ چند دن پہلے ایک انتہائی افسوس ناک خبر نظر سے گزری، جس کے مطابق لاہور میں ایک ہاسٹل میں رہائش پذیر بچیوں کی بڑی تعداد نشہ کے ساتھ ساتھ ایک اور بڑی خرابی کا شکار ہوچکی تھیں۔ والدین بچوں کو تعلیم کے حصول کے لیے اسکولوں، کالجوں، بلکہ دوسرے شہروں میں بھی بھیجتے ہیں، لیکن اُنہیں کیا خبر کہ ان کے بچے بچیاں ان تعلیمی اداروں سے سگریٹ اور نشہ کی لت کا شکار ہورہے ہیں۔ کیا معلوم کتنے بچوں کی سوچ اور اُن کے عقیدے کو بھی خراب کرنے کا یہی تعلیمی ادارے ذریعہ بن رہے ہیں۔ اس گراوٹ کو روکا نہ گیا تو پھر تعلیم کا حصول ناممکن ہوجائے گا۔ اس لیے یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ تعلیمی اداروں کو منشیات کے علاوہ غیر اخلاقی، غیر اسلامی اور غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے والے ماحول سے پاک کرنے کے لیے تمام تعلیمی اداروں کی مانیٹرنگ کا نظام بنائے۔ یہ مادر پدر آزادی ہمیں تباہ و برباد کرکے رکھ دے گی۔ (محترم انصار عباسی صاحب)

گناہ پر فخر

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قرآن مجید نے مختلف انسانی گروہوں کے مزاج اور ان کی نفسیات پر روشنی ڈالی ہے اور ہر ایک کے بارے میں دھڑکتی ہوئی نبض پر انگلی رکھ دی ہے، اس میں مشرکین کا ذکر بھی ہے، یہودیوں کا بھی، عیسائیوں کا بھی اور منافقین کا بھی، دعوت حق کے بارے میں کس کا کیا رویہ ہے؟ اور زندگی کے مسائل کے بارے میں کس کے سوچنے کا کیا انداز ہے؟ قرآن نے اس کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ آج بھی اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، اعراب یعنی دیہاتیوں کا جو مزاج قرآن نے بتایا ہے، آج بھی شہری ثقافت سے محروم دیہات کے لوگوں میں پوری طرح وہ کیفیت محسوس کی جاسکتی ہے، یہودیوں میں زندگی کی بے پناہ چاہت اور موت سے بے حد خوف کی جو نفسیات بیان کی گئی ہے، اسرائیل اس کی جیتی جاگتی مثال ہے، ہر دور میں ایک ایسا گروہ موجود رہا ہے، جس کے ظاہر اور باطن میں ایسا فاصلہ ہوتا ہے، جیسے دریا کے دو کنارے اور جن کی زبان دل کی رفاقت سے محروم رہتی ہے اور اسی گروہ کو قرآن ''منافق'' سے تعبیر کرتا ہے، قرآن کی مدنی سورتوں میں ان منافقین کی ریشہ دوانی اور بزدلی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اتنا مکمل اور بھرپور ہے کہ اس سے بہتر اس گروہ کی تصویر نہیں کھینچی جاسکتی۔

اسی طرح قرآن نے ایک ایسے گروہ کا بھی ذکر کیا ہے، جو دیدہ و دانستہ سچائی کی مخالفت پر پوری طاقت کے ساتھ کمر بستہ رہتا ہے، اس کی کیفیت ایسی ہے کہ گویا اس کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہو، جس کے کان مہر بند کر دیئے گئے ہوں، جس کی آنکھوں پر جھوٹ کا اتنا دبیز پردہ چڑھا ہوا ہے کہ سچائی اسے بالکل نظر نہیں آتی: ''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ'' (البقرہ:7) ایسا نہیں کہ ان کے سینے میں دھڑکنے والا گوشت کا لوتھڑا ہی نہ ہو، ہے لیکن سمجھنے سے محروم، کان نام کا عضو، ان کے پاس بھی ہے، لیکن حقائق کو سننے سے قاصر، پتلیاں ان کے حلقہ چشم میں بھی موجود، لیکن سچائی کو دیکھنے سے قاصر: ''لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ'' (سورۃ الاعراف:179)

قرآن کی ان تعبیرات کو اگر ایک فقرہ میں سمیٹا جائے، تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس گروہ کے پاس اعضائے جسم تو ہوتے ہیں، لیکن یہ ضمیر سے محروم ہوتا ہے، جیسے دل کے مرجانے کے بعد جسم ایک لاشہ اور زمین کے لیے ایک بوجھ بن جاتا ہے، اسی طرح ضمیر کی موت انسان کے اندر چھپی ہوئی جوہر انسانیت کو زندگی سے محروم کر دیتی ہے اور اخلاق و تمدن کی دنیا کے لیے اس کا وجود ایک بارگراں بن جاتا ہے، جیسے مردار جسم انسان کے لیے زہر کی ٹوکری ہے، اسی طرح بے ضمیر اور مردہ ضمیر انسان آدمیت کے لیے زہر کا پیالہ ہے، وہ جس منہ سے لگے اسے بھی جوہر انسانی سے محروم کر دیتا ہے اور ایک ایسے طبقہ کو وجود میں لاتا ہے جو انسانی شکل وصورت کا درندہ ہوتا ہے، نہ کہ انسان، انسان خطاؤں کا مجموعہ ہے، انسانی ضمیر انسان کو اس کی خطاؤں اور غلطیوں پر متنبہ کرتا رہتا ہے، وہ ٹھوکریں کھاتا ہے، لیکن اس کی چوٹ بھی محسوس کرتا ہے، وہ گرتا ہے، لیکن گر کر اٹھتا ہے اور اپنے گردآلود جسم کو صاف ستھرا بھی کرتا ہے، اگر کوئی شخص غلطی پر غلطی کرتا جائے، لیکن اسے اپنی غلطی پر پشیمانی تک نہ ہو، ٹھوکریں کھائے، لیکن اتنا بے حس ہو کہ پتھر کو پھول سمجھ لے، بار بار گرے، لیکن اپنے گرد آلود دامن کو بے داغ و بے غبار تصور کرے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے ضمیر میں کوئی رمق حیات باقی نہیں رہ گئی ہے، اس کے دل پر مہر لگ چکی ہے، وہ انسانیت کے لیے ایک بوجھ ہے، وہ ایک زندہ لاش ہے، جس کا تعفن صحت منداور باضمیر انسانوں کے لیے سراسر نقصان دہ اور مضر ہے۔

دوسروں کو حقیر سمجھتے ہوئے اپنی کسی بات پر خوش ہونا کبر ہے، جو سب سے بڑا اخلاقی مرض اور تمام روحانی بیماریوں کی جڑ ہے، دوسروں کو حقیر سمجھے بغیر اپنے اوپر ہونے والی کسی نعمت کا اظہار فخر ہے، لیکن اکثر فخر کی سرحدیں کبر سے جاملتی ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی کسی منقبت کو بیان فرماتے (اور رسول اپنے درجہ و مقام کو واضح کرنے پر اللہ کی طرف سے مامور ہوتا ہے) تو ساتھ ہی ساتھ فخر کی نفی بھی فرماتے، چناں چہ ارشاد فرمایا کہ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں ''انا سید ولد آدم ولا فخر'' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آباؤ اجداد پر فخر

کرنے کو ناپسند فرمایا ہے اور حج کے موقع سے جو لوگ اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے، اس کو منع کرکے، اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا مزاج پیدا فرمایا، یہی اسلام کی تعلیم اور اس کا مزاج ہے، کوئی اچھی بات ہو تو اس کا سر خدا کے سامنے جھک جائے اور کوئی غلطی ہو تب بھی جبیں ندامت خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو اور مخلوق کے سامنے زبان پر کلمۂ اعتراف ہو، یہی ایک اچھے انسان کی پہچان ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا خوب فرمایا کہ ہر انسان خطا کا مرتکب ہوتا ہے، لیکن بہترین خطا کار وہ ہے جس کو اپنی غلطی پر پشیمانی اور شرمندگی ہو ”کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون“ یہ اعتراف ہی انسان اور شیطان کے درمیان اصل وجہ امتیاز ہے، سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے ذرا سی چوک ہوئی تو وہ ندامت سے پانی پانی ہو گئے اور اپنی لغزش سے کہیں بڑھ کر توبہ فرمائی اور جب شیطان نے اللہ تعالیٰ کی عدول حکمی کی تو بجائے نادم اور پشیماں ہونے کے اس نے تکبر اور فخر کا راستہ اختیار کیا او راسی چیز نے اس کو ہمیشہ کے لیے خالق کائنات کی نظر میں محروم ومغرور بنا دیا، پس برائی اور کوتاہ کاری پر ندامت اور اعتراف کے بجائے فخر ”ابلیسی صفت“ ہے اور کسی شخص میں اس کیفیت کا پایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ وہ روح آدمیت سے محروم اور مزاج شیطانی سے قریب ہو چکا ہے۔

مسلمانوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ انہوں نے آج فخر وتعلّی کے جو بت تراش لیے ہیں، کیا یہ واقعی متاع فخر واعزاز ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ دولت و ثروت آج ہمارے سماج میں وجہ افتخار بن چکا ہے، پُرشکوہ عمارتوں پر فخر کیا جاتا ہے، ہماری خواتین کے لیے زیورات کی بھاری مقدار وجہ افتخار ہے، نکاح کی تقریبات میں جس قدر دولت کی نمائش مسلمانوں کے یہاں ہوتی ہے اور کھانے پینے کی دعوتوں میں ہمارے یہاں جس تنوع، اسراف اور فضول خرچی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور پھر اسے باعث فخر سمجھا جاتا ہے، یہ سب غلطی پر اعتراف کے بجائے غلطی پر افتخار کی مثالیں ہیں، رشوت اور کرپشن کس قدر لائق شرم فعل ہے، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس آمدنی کو بالائی آمدنی اور اوپر کی آمدنی کے لفظ سے ذکر کرتے ہیں، ماں باپ کو اپنے بال بچوں کی ایسی آمدنی پر شرمندگی اور خفت کے بجائے مسرت اور عجب کا احساس ہوتا ہے اور جو شخص حلال پر قناعت کی وجہ سے سادہ زندگی گزارتا ہو، اسے بے وقوف اور بے عقل باور کیا جاتا ہے۔

سودی اداروں کی ملازمت ناجائز ہے، فلمی اداکاری ناجائز ہے، لیکن لوگ اپنا اور اپنے عزیزوں کا فخریہ تذکرہ کرتے ہیں کہ یہ فلاں سودی ادارہ میں فلاں عہدہ پر ہیں، فلمی اداکاروں سے ملاقات کو اعزاز تصور کیا جاتا ہے، مسلمان تنظیمیں انہیں اپنے جلسوں میں عزت کے احساس کے ساتھ مدعو کرتی ہیں اور ان کی شرکت کی تشہیر کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب گناہ اور گناہ گاروں پر فخر کرنے ہی کی صورتیں ہیں، مسلمانوں میں شاید ابھی یہ بلا نہیں آئی، لیکن دوسری قوموں میں مغرب کے زیر اثر حسن کی نمائش کا جو ذوق چل پڑا ہے، اس نے سماج کو اتنا بے حیا کر دیا ہے کہ والدین اپنی لڑکیوں کے حسن کے عریاں ہونے پر خوشی میں ناچتے اور رقص کرتے ہیں، ”حسنِ بے پردہ“ تو وجہ عار تھا، لیکن مردوں کی نگاہ ہوس نے عورتوں کا استحصال کرنے کے لیے اسے وجہ افتخار بنا دیا۔

بعض لوگ بدزبان اور بدمزاج ہوتے ہیں، معمولی معمولی باتوں پر برہمی اور اپنے بزرگوں اور سماج کے باعزت لوگوں پر حرف گیری کا مزاج رکھتے ہیں، جس کو جو جی میں آیا کہہ دیا، بلکہ موقع ہوا تو دشنام طرازی سے بھی نہیں چوکے، پھر اسے فخریہ بیان کرتے ہیں، اسے اپنا کمال سمجھتے ہیں یا اسے صاف گوئی کا عنوان دیتے ہیں، حالاں کہ صاف گوئی کے معنی دوسروں پر طنز وتعریض یا تنقیص نہیں اور اپنی ان نازیبا باتوں پر فخر بھی کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو ایسی کھری کھری سنائی اور فلاں شخص کو برسر عام ایسا ویسا کہا، حالاں کہ یہ سب قابل شرم باتیں ہیں، نہ کہ قابل فخر، ان پر انسان کو شرمانا چاہیے، نہ کہ اترانا۔

غرض گناہ پر شرمانے، لجانے اور عفو خواہ ہونے کے بجائے فخر کرنے، اترانے اور اپنی عزت محسوس کرنے کا ایک مزاج سا بن گیا ہے، یہ سماج کے بے ضمیر ہونے اور اس کے جوہر انسانیت کے مردہ ہو جانے کی ایک علامت ہے اور کیوں نہ ہو کہ حکمرانوں کا اثر رعایا پر پڑتا ہی ہے: ”الناس علی دین ملوکھم“ جس سماج میں گناہ پر فخر ہونے لگے اور غلطی وجہ ندامت ہونے کے بجائے وجۂ افتخار قرار پائے، وہاں برائیاں پنپتی ہی رہیں گی اور جور وظلم میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا، کیوں کہ جب گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھا جائے تو گناہ پر ٹوکنے والی زبانیں اور گناہ سے روکنے والے ہاتھ کہاں رہیں گے؟ جو لوگ خدا پر اور آخرت پر ایمان ہی نہ رکھتے ہوں ان سے گناہ پر فخر کرنے کی بابت کیا شکوہ کیا جائے، اصل شکوہ تو اپنے ان بھائیوں سے ہے جو دین حق کے حامل وترجمان ہونے کے باوجود، گناہ کے بارے میں اتنے جری ہیں کہ انہوں نے نیکی وبدی کی اصطلاحیں ہی بدل دی

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء..... حقائق وواقعات

قسط:۸

مولانا مفتی خالد محمود مدظلہ

ہیں اور برائیوں کو نیکی کا نام دے دیا ہے!☆☆

اس قرارداد پر عبدالحفیظ پیرزادہ، مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد، غلام فاروق، چوہدری ظہور الٰہی، سردار مولا بخش سومرو رحمہم اللہ کے دستخط تھے، بعد میں مولانا غلام غوث ہزاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر دستخط کیے۔

قرارداد پیش کرنے سے پہلے مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے مختصر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ خصوصی کمیٹی کے اجلاسوں میں پورا پورا اتفاق رائے رہا، کچھ مشکلات پیدا ہوئیں، ان کا تعلق زیادہ تر طریقہ کار سے تھا، اسی دوران وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ایوان میں داخل ہوئے۔

قرارداد کی منظوری کے بعد وزیر قانون نے آئین میں ترمیم کا بل پیش کیا۔ بعض قواعد کو معطل کرنے کے لیے دو تحریکیں پیش کیں، تا کہ ان ترامیم کو تیزی سے مختلف دستوری مراحل سے گزارا جاسکے۔ اس کے بعد بل دوسرے مرحلہ میں داخل ہو چکا تھا اور وزیر قانون آئین میں ترمیمی بل کو فی الفور زیر غور لانے کی تحریک پیش کر چکے تھے، اس پر اسپیکر نے پیرزادہ صاحب سے اس بل پر تقریر کرنے کے لیے کہا، پیرزادہ صاحب نے صرف اتنا کہا کہ وہ اس بل پر ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کریں گے، کیونکہ یہ بل قومی اسمبلی کی پوری کمیٹی کا متفقہ بل ہے، اس کے بعد اسپیکر صاحب نے قائد حزب اختلاف مفتی محمودؒ کو اظہار خیال کی دعوت دی، مفتی محمود صاحب نے کہا کہ میں اور میرے رفقاء اس بل کی مکمل حمایت کرتے ہیں اور اس صورت حال میں کوئی تفصیلی تقریر میں ضروری نہیں سمجھتا۔ اس موقع پر مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے بھی اس بل کی حمایت اور تائید کی، اس کے بعد اسپیکر قومی اسمبلی نے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اظہار خیال کی دعوت دی۔

اس تاریخی بل کا متن یہ ہے:

"ہرگاہ یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں درج اغراض کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے۔

لہٰذا بذریعہ حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے:

۱۔مختصر عنوان اور آغاز نفاذ

(۱) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ایکٹ، ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

(۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

۲۔آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں، جسے بعد ازیں آئین کہا جائے گا، دفعہ ۱۰۶ کی شق (۳) میں لفظ فرقوں کے بعد الفاظ اور قوسین " اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں)" درج کیے جائیں گے۔

۳۔آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم۔ آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں شق (۲) کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی، یعنی

"(۳) جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو آخری نبی ہیں، کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور مشروط ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مفہوم میں یا کسی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، وہ آئین وقانون کے اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔"

بیان اغراض ووجوہ

جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے، اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تا کہ ہر وہ شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔

قومی اسمبلی اور سینٹ میں یہ بل کن مراحل سے گزرتے ہوئے پاس ہوا، اس کی لحہ بہ لحہ ایمان افروز رپورٹ ملاحظہ کیجیے:

۷ رستمبر کی شام کو پون صدی پر پھیلی ہوئی

جدوجہد تاریخ ساز لمحوں میں سمٹ آئی۔ ان لمحات کا منظر ناقابل فراموش تھا۔ قومی اسمبلی کی کارروائی کا آغاز قرآن پاک کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد چار بج کر چالیس منٹ پر مرکزی وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے آئین میں ترمیم کا بل پیش کیا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے اسمبلی کے بعض قواعد کو معطل کرنے کی دو تحریکیں پیش کیں تاکہ ان ترامیم کو تیزی کے ساتھ مرحلوں سے گزارا جاسکے۔ ان دستوری ضروریات کو پورا کرنے، ترمیمی بل کو پڑھنے اور اسے ایوان کے سامنے پیش کرنے میں صرف تیرہ منٹ صرف ہوئے اور چار بج کر ترپن منٹ پر بل پہلے مرحلے سے گزر چکا تھا۔ ان تیرہ منٹوں میں ان متواتر اور مسلسل تالیوں کا وقت بھی شامل ہے جو بل پیش کرنے کے دوران بار بار بلند ہوتی رہیں۔ قومی اسمبلی کے تمام ارکان پر مشتمل خصوصی کمیٹی نے متفقہ طور پر جو بل پیش کیا تھا، اس کے مطابق دستور کی دفعہ ۱۰۶ میں دی گئی اقلیتوں کی فہرست میں ''قادیانی گروہ اور لاہوری گروہ'' کو بھی شامل کردیا گیا اور دفعہ ۲۶۰ میں ایک نئی شق کا اضافہ کیا گیا، جس کے ذریعے ''ہر فرد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو، وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے ضمن میں مسلمان نہیں ہے۔'' اس بل کو جب وزیر قانون پیش کررہے تھے تو فقرے فقرے پر بعض دفعہ تو لفظ لفظ پر قومی اسمبلی کے اکثر ارکان جذبات سے بے قابو ہوکر ڈیسک اور تالیاں بجارہے تھے اور جیسا کہ بعد میں وزیر اعظم بھٹو نے اپنی تقریر میں کہا: ''درحقیقت ہم سب جذبات کے طوفان سے معرکہ آرا تھے۔''

اگلے تین منٹوں میں بل دوسرے مرحلے میں داخل ہوچکا تھا اور جناب پیرزادہ آئین میں ترمیم کے بل کو فی الفور زیر غور لانے کی تحریک پیش کرچکے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں چار بج کر چھپن منٹ پر تھیں جناب پیرزادہ سے اسپیکر نے کہا کہ وہ بل پر تقریر کریں۔ جناب پیرزادہ اٹھے اور گویا ہوئے کہ وہ اس پر ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کریں گے۔ کیوں کہ یہ بل پوری اسمبلی پر مشتمل خصوصی کمیٹی کا متفق علیہ ہے اور اس ضمن میں انہوں نے چند فقرے کہے، جناب پیرزادہ بیٹھے ہی تھے کہ مفتی محمود صاحب اٹھے، انہوں نے قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے آئین میں زیر بحث ترمیم کی مکمل تائید کا اعلان کیا اور اس اقدام پر وزیر اعظم اور ارکان حزب اقتدار کو خراج تحسین پیش کیا۔ پانچ بج کر پانچ منٹ پر اسپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی نے قائد ایوان جناب ذوالفقار علی بھٹو کو اظہار خیال کی دعوت دی۔ جناب بھٹو صاحب کی تقریر چھبیس منٹ تک جاری رہی۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر کے بعد بل کا تیسرا مرحلہ (خواندگی) شروع ہوا اور وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے بل منظوری کے لیے ایوان کے سامنے پیش کیا۔ جب صاحبزادہ فاروق علی خان سپیکر قومی اسمبلی نے ڈیسک بجانے کی فلک شگاف گونج میں اعلان کیا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی ترمیم کے حق میں ایک سو تیس ووٹ آئے ہیں، جب کہ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہیں ڈالا گیا، اس وقت پانچ بج کر باون منٹ ہوئے تھے۔ قومی اسمبلی کے معزز ارکان نے اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سدباب کردیا جو پون صدی سے ملت اسلامیہ کے لیے دردِ سر بنا ہوا تھا۔

سینیٹ میں بل کی منظوری:

۷؍ستمبر کے دن ہی شام ساڑھے سات بجے سینٹ کا اجلاس بلایا گیا۔ سینٹ کی کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اور اس کے لیے موقع کے اعتبار سے مناسب آیات کا چناؤ کیا گیا تھا۔ تلاوت اور ترجمہ کے بعد سات بج کر ۴۵؍منٹ پر کارروائی کا آغاز ہوا۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے جو مرکزی وزیر ہونے کے ناطے سینٹ میں بیٹھ سکتے تھے، نے قومی اسمبلی کا منظور شدہ بل ''سینٹ'' میں پیش کیا۔ ترمیمی بل پر منظوری کے لیے دستوری ضروریات سے گزرتے ہوئے دوبارہ ایوان کے اندر رائے شماری ہوئی، آٹھ بجے سینٹ کے چیئرمین جناب حبیب اللہ خان نے آئین میں ترمیم کا اعلان کرکے بہ اتفاق رائے مرزائیوں کے غیر مسلم اقلیت ہونے کا دستوری عمل مکمل کردیا۔ قومی اسمبلی کی طرح سینٹ میں بھی کوئی ووٹ قرارداد کے خلاف نہیں آیا۔

(تحریک ختم نبوت، جلد۴، ص:۳۶تا۳۸)

قرارداد کی منظوری پر مسلمانوں کا اظہار مسرت:

۷؍ستمبر کو رات ۸ بجے جب ریڈیو پاکستان سے یہ خوش کن خبر نشر ہوئی تو لوگ بے اختیار سڑکوں پر نکل آئے، بعض جذباتی لوگ تو اس خوش خبری سے بچوں کی طرح رقص کرنے لگے۔ مبارک، سلامت کا قصہ شروع ہوا۔ مٹھائیاں تقسیم ہونا شروع ہوئیں، مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے ۱۳؍ستمبر جمعہ کو بطور یوم تشکر منانے کی اپیل کی۔ لیکن ملک بھر میں ۷؍ستمبر سے ۱۷؍ستمبر تک یوم تشکر، یوم مسرت اور یوم فتح منایا گیا۔ اکابرین

کے منع کرنے کے باوجود چراغاں ہوا اور ایسا چراغاں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا بھر سے مسلمانوں نے اس مبارک قرارداد پر اسلامیانِ پاکستان کو مبارک باد دی۔ ملک کی مقتدر شخصیات نے مسرت واطمینان کا اظہار کیا۔

راولپنڈی کے علاقے میں اگرچہ موسمی تغیر وتبدل کوئی انوکھی بات نہیں لیکن آج (۷/ستمبر کو) بارانِ رحمت جس غیر متوقع طور پر دیکھنے میں آئی، اس نے یہاں کے لوگوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔ گزشتہ کچھ دنوں سے یہاں خاصی گرمی تھی اور آج بعد دوپہر تک تیز دھوپ سے ہر شے تپ رہی تھی۔ دور دور تک آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہ آتا تھا لیکن جس وقت قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے اپنے تاریخی فیصلے کا اعلان کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے پورے مطلع کو سیاہ گھٹاؤں نے گھیر لیا اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی جو شام تک جاری رہی۔ عوام اس بارانِ رحمت کو خداوند ذوالجلال کی رضا وخوشنودی کی دلیل قرار دے رہے ہیں۔

قادیانی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے قومی اسمبلی نے سارے ایوان پر جو مشتمل خصوصی کمیٹی بنائی تھی، اس خصوصی کمیٹی نے ۲۸/اجلاس منعقد کیے اور بحیثیت مجموعی ۹۶ گھنٹے غور کیا۔ کمیٹی کے سامنے ربوہ جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے ۴۲/گھنٹے اور ۵۰/منٹ تک شہادت قلمبند کرائی اور ان کا بیان گیارہ دن جاری رہا۔ لاہوری جماعت کے سربراہ پر دو اجلاس میں بحیثیت مجموعی ۸/گھنٹے ۲۰/منٹ تک جرح ہوئی، خصوصی کمیٹی کے چیئرمین قومی اسمبلی کے اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان تھے۔ اس پوری تحریک کی واقعاتی ترتیب درج ذیل ہے۔

واقعات کی ترتیب:

۱......۲۲/مئی ۱۹۷۴ء کو طلبہ کے وفد کی ربوہ اسٹیشن پر قادیانیوں سے تو تکار ہوئی۔

۲......۲۹/مئی کو بدلہ لینے کے لیے قادیانیوں نے ربوہ اسٹیشن پر طلبہ پر قاتلانہ، سفاکانہ حملہ کیا۔

۳......۳۰/مئی کو لاہور اور دیگر شہروں میں ہڑتال ہوئی۔

۴......۳۱/مئی کو سانحہ ربوہ کی تحقیقات کے لیے صمدانی ٹریبونل کا قیام عمل میں آیا۔

۵......۳/جون کو مجلس عمل کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں منعقد ہوا۔

۶......۹/جون کو مجلس عمل کا کنوینر لاہور میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کو مقرر کیا گیا۔

۷......۱۳/جون کو وزیر اعظم نے نشری تقریر میں بجٹ کے بعد مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کرنے کا اعلان کیا۔

۸......۱۴/جون کو ملک گیر ہڑتال ہوئی۔

۹......۱۶/جون کو مجلس عمل کا لائل پور میں اجلاس ہوا، جس میں حضرت بنوریؒ کو امیر اور مولانا محمود احمد رضویؒ کو جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا۔

۱۰......۳۰/جون کو قومی اسمبلی میں دو قرار دادیں پیش ہوئی، ایک اپوزیشن کی طرف سے اور دوسری گورنمنٹ کی طرف سے، جن پر غور کے لیے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔

۱۱......۲۴/جولائی کو وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ جو قومی اسمبلی کا فیصلہ ہوگا، ہمیں منظور ہوگا۔

۱۲......۳/اگست کو صمدانی ٹریبونل نے تحقیقات مکمل کر لیں۔

بقیہ:.... دعوت یا عداوت

چاہے تو اب اصلاح اس کے بس میں نہیں رہی، لیکن مجھے اس نقطہ نظر سے کبھی اتفاق نہیں ہوا، سوال یہ ہے کہ آپ اس قسم کی غلط بلکہ مہلک ریت کا کب تک ساتھ دیں گے؟ کب تک رواج عام کو غلطیوں کا بہانہ بنایا جاتا رہے گا؟ ہر غلط ریت کے آگے ہتھیار ڈال کر اس کے بہاؤ پر بہنے کا سلسلہ آخر کہاں جا کر رکے گا؟ واقعہ یہ ہے کہ اصل ضرورت صرف ایک پختہ اور ناقابل شکست ارادے کی ہے، اسی ماحول میں جہاں مقررہ وقت پر کسی دعوت میں پہنچنے والا بے وقوف سمجھا جاتا ہے، خود میں نے ایسے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے دعوت نامہ پر پابندی وقت کی خصوصی ہدایت لکھی اور اس پر عمل کر کے بھی دکھایا اور کھانے کا جو وقت دیا گیا تھا، اس پر کھانا واقعی شروع کر دیا اور اس بات کی پروا نہیں کہ حاضرین کم ہیں یا زیادہ؟ سوال یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے پابندیٔ وقت کے خصوصی التماس کے باوجود آنے میں دیر کی ہے تو اس کی سزا ان لوگوں کو کیوں دی جائے جو بے چارے وقت پر آ گئے تھے؟ جب تک کچھ لوگوں باتوں کو سنجیدگی سے سوچ کر پابندیٔ وقت کا تہیہ نہیں کریں گے، اس وقت تک تقریبات کا یہ بے ڈھب سلسلہ کسی حد پر نہیں رکے گا، آج بھی جو تقریبات ہوٹلوں میں ہوتی ہیں اور جہاں گھنٹوں کے حساب سے بکنگ ہوتی ہے، وہاں سارے کام کس طرح وقت پر ہو جاتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ ضرورت صرف پختہ ارادے کی ہے، اگر چند افراد بھی یہ پختہ ارادہ کر لیں اور اس پر عمل کر کے دکھا دیں تو تبدیلی ہمیشہ افراد ہی سے آتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ، وہ عمومی رواج کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔☆☆

۱۳......۵/اگست سے ۲۳/اگست تک وقفوں سے مکمل گیارہ روز مرزا ناصر پر قومی اسمبلی میں جرح کی گئی۔

۱۴......۲۰/اگست کو صمدانی ٹریبونل نے اپنی رپورٹ سانحہ ربوہ سے متعلق وزیر اعلیٰ کو پیش کی۔

۱۵......۲۲/اگست کو وزیر اعلیٰ پنجاب نے صمدانی رپورٹ وزیر اعظم کو پیش کی۔

۱۶......۲۴/اگست کو وزیر اعظم نے کوئٹہ میں فیصلہ کے لیے ۷/ستمبر کی تاریخ مقرر کی۔

۱۷......۲۷، ۲۸/ اگست کو لاہوری گروپ پر قومی اسمبلی میں جرح ہوئی۔

۱۸......یکم ستمبر کو لاہور شاہی مسجد میں ملک گیر ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔

۱۹......۵،۶/ستمبر کو اٹارنی جنرل نے قومی اسمبلی میں عمومی بحث کی اور مرزائیوں پر جرح کا خلاصہ پیش کیا۔

۲۰......۶/ستمبر کو مجلس عمل کی راولپنڈی میں ختم نبوت کانفرنس، وزیر اعظم سے ملاقات (اور فیصلہ)

۲۱......۷/ستمبر کو قومی اسمبلی نے فیصلہ کا اعلان کیا کہ مرزا قادیانی کے ماننے والے ہر دو گروپ غیر مسلم ہیں۔

(تحریک ختم نبوت، جلد ۳، ص ۷۷، ۴،۸،۷۴)

اس خبر کا نشر ہونا تھا کہ پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جتنی خوشی اور مسرت قوم کو اس فیصلہ سے ہوئی شاید ہی کسی موقع پر اتنی خوشی حاصل ہوئی ہو۔ مجلس کے امیر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے وزیر اعظم ، حکومت، ارا کین اسمبلی اور پوری قوم کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا:

اس موقع پر ہم سب کو اللہ پاک کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ محض اسی نے اپنے فضل و احسان سے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی لاج رکھ لی اور اس تحریک کو کامیابی عطا فرمائی، اسی نے اس کے فوق العادت اسباب مہیا کیے، مسلمانوں کے تمام طبقوں کو متحد اور مجتمع فرمایا، اور اسی نے اراکین اسمبلی کے دل میں صحیح فیصلہ ڈالا، الحمدللہ وحدہ، لا الہ الا اللہ وحدہ، انجز وعدہ، و نصر عبدہ (اعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نیک بندوں نے اس موقع پر دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ سے التجائیں کیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمالیں، جو کچھ ہوا محض اللہ تعالیٰ کے فضل و تکوینی طور پر ہوا، وہم و گمان سے بالاتر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا۔

مجلس عمل کے خادم کی حیثیت سے میں یہ فرض سمجھتا ہوں کہ جناب وزیر اعظم صاحب اور ان کے رفقا کو مبارک باد اور ہدیہ تشکر پیش کروں، اگر موصوف نے آخری مرحلہ میں تدبر سے کام نہ لیا ہوتا اور گزشتہ حکمرانوں کی طرح نشہ اقتدار میں مسلمانوں کے ملی مطالبہ کو خدانخواستہ ٹھکرا دیا جاتا تو شاید ہم سب غضب الٰہی کی لپیٹ میں آگئے ہوتے اور پاکستان میں پھر ۱۹۵۳ء کی یاد تازہ ہو جاتی، یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ یہ مسئلہ ان کے دور اقتدار میں حل ہوا، اگرچہ مسلمانوں کو ابتلا سے گزرنا پڑا لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔ جناب وزیر اعظم صاحب کے دل میں صحیح بات ڈال دی، بہر حال! وہ اس جرأت مندانہ اقدام پر تمام عالم اسلام کی جانب سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

نیز میں قومی اسمبلی کے صدر اور معزز مسلمان اراکین کو تمام مسلمانوں کی جانب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مرزائیت کے تمام مالہ و ماعلیہ کو بڑی محنت اور جانفشانی سے پڑھا اور پوری بصیرت سے صحیح فیصلہ صادر کیا۔

ملت اسلامیہ نے جس بے مثال اتحاد کا مظاہرہ کیا اور تمام مسلمانوں نے جس عزم و استقلال کے ساتھ تحفظ ناموس رسالت (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی خاطر ہر قسم کی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر ایثار و قربانی کا نمونہ پیش کیا اس کی تحسین کے لیے الفاظ کا دامن تنگ ہے، جن جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ اس میں حصہ لیا وہ اپنا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں پائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق ہوں گے، حق یہ ہے کہ اس موقع پر ملت سلامیہ کا ایک ایک فرد مبارک باد کا مستحق ہے۔

اس حادثہ ربوہ کا آغاز عزیز طلبہ پر ظلم وستم سے ہوا اور انہوں نے ایک طرف تحریک کے لیے قربانیاں پیش کرنے کا عزم کیا اور دوسری طرف اپنے جوش و خروش کو مجلس عمل کی ہدایات کے مطابق بے جا استعمال کرنے سے حتی الوسع پرہیز کیا، ورنہ نوجوان طبقہ صبر و تحمل کی تلقین کو مشکل ہی سے سننے کا عادی ہوتا ہے اس لیے ہمارے عزیز طلبہ دو گونہ مبارک باد کے مستحق ہیں اور کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ اگر ان نوجوانوں کی ہمت و ارادہ کے دھارے صحیح رخ پر بہنے لگیں اور ان کی ایسی تربیت ہو کہ وہ اس پاکستان کی پاک سرزمین میں ہر قسم کی گروہ بندیوں اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر محنت کرنے والے بن جائیں تو اس ملک کا نقشہ ہی بدل جائے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز!

مطبوعات ...... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	رعایتی قیمت
1	محاسبہ قادیانیت: جلد نمبر 01 تا 33	متعدد حضرات کے مجموعہ رسائل	13200
2	قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ	حضرت مولانا پروفیسر محمد الیاس برنیؒ	600
3	رئیس قادیان	ابوالقاسم مولانا محمد رفیق دلاوریؒ	500
4	ائمہ تلبیس	ابوالقاسم مولانا محمد رفیق دلاوریؒ	600
5	خاتم النبیین ﷺ	حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ/حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ	350
6	تحریک ختم نبوت (10 جلدیں)	حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب	4500
7	مقدمہ مرزائیہ بہاولپور (3 جلدیں)	جج محمد اکبر خان صاحب	1000
8	قومی اسمبلی میں بحث پر مصدقہ رپورٹ (5 جلدیں)	حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب	1500
9	مجموعہ رسائل ردقادیانیت جلد اول	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	350
10	مجموعہ رسائل ردقادیانیت جلد دوم	رسائل اکابرین	350
11	چمنستان ختم نبوت کے گلہائے رنگارنگ (5 جلدیں)	حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب	1500
12	قادیانی شبہات اور ان کے جوابات (کامل)	حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب	600
13	خطبات شاہین ختم نبوت (دو جلدیں)	حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب	700
14	اسلام اور قادیانیت ایک تقابلی مطالعہ	حضرت مولانا عبدالغنی پٹیالویؒ	300
15	تذکرہ مجاہدین ختم نبوت	حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب	350
16	آئینہ قادیانیت	حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب	300
17	فتنہ گوہر شاہی	مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ/مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب	200
18	قادیانیت کا تعاقب	مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ صاحب/مولانا قاضی احسان احمد صاحب	250
19	قادیانیوں سے فیصلہ کن مناظرے	جناب محمد متین خالد صاحب	250
20	فتنہ قادیانیت کے خلاف عدالتی فیصلے (2 جلدیں)	جناب محمد متین خالد صاحب	700
21	مولانا ظفر علی خان اور فتنہ قادیانیت	جناب محمد متین خالد صاحب	400
22	ختم نبوت کورس	مولانا مفتی مصطفیٰ عزیز صاحب	350
23	ختم نبوت ڈائری 2025ء	عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان	350
24	ختم نبوت کلینڈر 2025ء	عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان	150

نوٹ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت تبلیغی ادارہ ہے۔ تبلیغ کے نقطۂ نظر سے تقریباً لاگت پر کتب مہیا کی جاتی ہیں۔